شکست شب

از

رفعت سراج

تاریخ شروع:05062008

تاریخ اختتام:05062008

اسکیننگ: ھانیہ(ہم سا ہو تو سامنے آ)

ناول کا آغاز

حسن صد رنگ میں ایک سادہ سی تمنا بھی تو تھی

جانے آپ سے تصویر بنائی نہ گئی

وہ بہت تیزی سے گیٹ میں داخل ہوئی تھی۔ادھر ادھر دیکھے بنا وہ تیزی سے بڑھی تھی۔

تابندہ بائیں پہلو سے آواز ابھری اور اس کا دم سوکھ گیا۔اس نے ڈرتے ڈرتے گردن موڑی۔

جی؟

ادھر آؤ بھئی آج تصویر بنانے کا سخت موڈ ہے مگر کوئی تصور منظّم ہی نہیں رہا۔سنو۔ایک دیہاتی لڑکی کی تصویر بنانی ہے جس کے سر پر گھڑا رکھا ہے۔وہ کسی خاص تصور کے تحت مسکرا بھی رہی ہے۔

مم۔۔۔مگر۔۔۔میں۔۔۔وہ گھڑا۔۔۔

تم بھی دوسروں کی طرح بہانے بنا رہی ہو۔گھڑا ابھی آ جا گا۔خدا معلوم میرے وجود سے کون سی ایٹمی شعاعیں نکلتی ہیں۔جو تم لوگ اس قدر ہچکچاتے ہو۔اس کے ماتھے پر سینکڑوں بل پڑ گئے۔

وہ۔۔میں تو۔۔۔شالی کے پاس۔۔۔کک۔۔۔کا کام۔۔۔سے۔۔۔

تو میں کون سا تمہیں عمر بھر کو بٹھا رہا ہوں۔ڈر کیوں رہی ہو اس قدر؟ کتے نے کاٹا تھا نا

مجھے۔چودہ انجکشن لگوانا بھول گیا تھا۔کاٹ کھاؤں گا تمہیں؟ وہ ہمیشہ کی طرح جنونی ہو کر اس پر الٹ پڑا اور وہ اس کے بیدام نہ ہوتے ہو بھی سہم کر نزھیک ہی بیٹھ گئی۔

مم۔۔۔میں منع نہیں کر رہی ہوں۔لیجیے بنا لیجیے۔

غفور اندر سے گھڑا لے کر آؤ۔کیسا ہی کیوں نہ ہو۔جلدی، شاباش۔اس نے نوکر کو حکم دیا۔وہ بری طرح ڈر گئی۔خدا معلوم کب تک گھڑا اٹھانا پڑے گا۔

غفور ہانپتا کانپتا آن واحد میں خدا معلوم کس کونے کھدرے سے گھڑا اٹھا لایا۔

لو اسے سر پر رکھو۔وہ نزدیک آ کر اس کے سر پر رکھتا ہوا گویا ہوا۔

وہ بیبسی کے عالم میں گھڑا سر پر سیٹ کرنے لگی۔

ہوں، ٹھیک ہے۔شاباش، مسکراؤ۔وہ مسکرا دی۔بڑی بینیاز سی مسکراہٹ

ارے بھئی ٹھیک سے مسکراؤ۔قدرتی مسکراہٹ۔

وہ تھوک نگلتے ہو بڑی بیبسی سے مسکرائی۔

اس نے بڑے غور سے اسے دیکھا اور کینوس پر اسکیچنگ کرنے لگا۔

گھڑا پکڑے پکڑے اس کے بازو شل ہو گئے۔

اوں ہوں، ہلو نہیں۔وہ جھلّایا۔

اس کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔بھلا اس کے اپنے تو اور میں کیوں اس قدر اس کے رعب میں آ جاتی ہون۔میں نہیں پکڑتی اب گھڑا اوڑا۔وہ باغی ہونے لگی۔

کیا ہو رہا ہے تمہیں؟ سنتی نہیں ہو۔ ایک مرتبہ کی بات۔ وہ اس کی صورت کا خاکہ بنا چکا تھا، گرج کر بولا تو وہ بری طرح سہم گئی۔

نن۔ نہیں تو، وہ میرے بازو شل ہو رہے ہیں۔ اس نے بلآخر کہہ دیا۔

کیوں کھانا نہیں کھاتیں؟ ٹھیک سے بیٹھی رہو۔

ارے بھئی بازو اس طرح رکھو۔ وہ جھلا کر اس کے نزدیک چلا آیا۔ اے اس طرح سے۔ اس نے اس کے بازوں کا زاویہ درست کیا۔ آنکھیں ٹھیک کرو، اوپر دیکھو۔

اس نے پلکیں اٹھا دیں۔ ساتھ ہی ٹپ ٹپ دو آنسو اس کے رخساروں پر لڑھک آئے۔

ہائیں تم رو رہی ہو۔ کیا تمہیں زدوکوب کیا ہے میں نے؟ مارے کوفت کے اس کا بھیجا الٹ گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ آنسو سلسلہ وار بہنے لگے۔

اس نے گھڑا جھپٹ کر گھاس پر دے مارا۔ وہ سہم کر پیچھے ہٹ گئی۔

گھڑے کے ٹکڑوں پر ٹھوکر مارتا ہوا کینوس کی سمت بڑھا شیٹ اکھاڑ کر پرزے پرزے کر دی۔ وہ لرز کر اندر جانے کے بجابار کی سمت بھاگی۔ ٹانگیں بری طرح لرز رہی تھیں۔

اس دن کے بعد اس نے پھر ادھر کا رخ نہیں کیا۔ شالی کئی مرتبہ آئی پوچھا بھی کہ وہ کیوں نہیں آ رہی۔ اس نے گول مول سا جواب دے دیا۔

مگر شالی سے چھوٹے سنی کی سالگرہ میں اس کو جانا ہی پڑا۔ امی نے جانے سے انکار کر دیا کہ بچوں کی محفل میں میرا کیا کام۔ وہ نیلے رنگ کے پلین سوٹ میں بڑی سادگی سے آئی تھی۔

شالی اور اسکی امی انتظامات میں لگی ہوئی تھیں۔ اس نے شالی کا ہاتھ بٹانے کا ارادہ کیا اور کچن میں آ کر چاٹ بنانے لگی۔

چاوا بھی ملے گی یا آج روزہ رکھوایا ہے زبردستی۔ یہ وقت ہو گیا ہے۔ خود سے فرصت ملے تو کسی اور کا دھیان بھی رکھا جا۔

وہ ہمیشہ کی طرح بکتا جھکتا کچن میں آیا تھا۔ مارے گھبراہٹ کے چھری اس کے ہاتھ سے گر گئی۔

اوہ تم ہو، شالی کہاں گئی؟ ایک گھنٹے سے چا کے لیے کہہ رہا ہون۔ لگتا ہے سب کے کان چوپٹ ہو چکے ہیں تابندہ نے چھری اٹھائی اور اس کی سمت دیکھے بنا بولی۔

میں بنا دیتی ہوں چا۔

ہاں ذرا جلدی بنا دو۔ ابھی تو سالگرہ میں یہ حال ہے۔ اگلے ماہ وہ شالی سے بڑی کی شادی ہے جو لاہور سیر سپاٹے کرنے گئی ہین۔ اس دوران تو شاید کھانا بھی ہوٹل جا کر کھانا پڑے گا۔ حسب سابق اس کی زبان کی تلوار تیز چل رہی تھی۔

وہ چا بنانے لگی تو وہ فوراً گویا ہوا۔

ارے بس، بہت بہت شکریہ، میں خود بنا لوں گا۔ جو ہاتھ دکھ گئے تو ٹسوے بہانے بیٹھ جاؤ گی۔ وہ بیواری سے کہہ کر الیکٹرک کیٹل اٹھانے لگا۔ وہ اس کے بدلتے انداز پر حیران رہ گئی اور ایک طرف ہو کر ابلے ہوآلو کٹنے لگی۔

خدا معلوم یہ چا کی پتی کہاں رکھی ہے؟ سلیقہ نام کی تو کوئی چیز ہی نہیں اس گھر میں۔وہ عورتوں کے انداز میں صلواتیں سنانے لگا۔وہ خاموش کھڑی تھی۔

خدا خدا کر کے چا بنی۔وہ وہیں کھڑا ہو کر پینے لگا۔اس کی جان پر بنی ہوئی تھی۔خدایا یہاں سے جاتا کیوں نہیں؟

ان لوگوں کے ہاتھ کوئی ادھار لے کر گیا ہے جو خاص طور پر تمہیں امپورٹ کیا ہے۔اس کا انداز مضحکہ خیز تھا۔

نہیں خیر ایسی تو کوئی بات نہیں۔یہ گھر بھی تو میرا ہے۔نزدیکی پڑوسی ہیں،رشتیداروں سے بڑھ کر۔کوئی غیریت نہیں ہے ہم میں۔وہ خود پر قابو پا کر آہستگی سے گویا ہوئی۔

خوب۔وہ مسکرایا مگر انداز وہی کاٹ دار تھا۔تھوڑی بعد وہ باہر نکل گیا۔تھوڑی دیر بعد سنی کیک کاٹنے لگا تو شالی نے ماں سے کہا۔

امی احسن بھائی کو بلا لاؤں؟

ارے چھوڑو،وہ یہاں بچوں میں آ کر کیا کرے گا۔؟وہ بیزاری سے بولیں۔

ماں کے کہنے پر وہ جپ وہ رہی مگر کیک کٹنے کے بعد ایک پلیٹ سجا کر اوپر چلی گئی مگر ایک دم اوپر شور سا ہوا۔شالی کی امی سعدیہ بیگم بدحواس ہو کر زینے کی طرف لپکیں۔وہ بھی پیچھے ہو لی۔

اور پہنچ کر خوب نظارہ دیکھا۔پلیٹ کرچی کرچی تھی۔سارے لوازمات قالین پر بکھرے

پڑے تھے۔شالی دروازے پر کھڑی لرز رہی تھی۔

ارے تم ہوش میں تو ہو؟ کیا کہی ہے تم نے میری بچی کو؟

میں نیکسی کو کچھ نہیں کہا۔برا مہربانی آپ لوگ یہاں سے تشریف لے جائیے۔

کیوں؟ تمہارے باوا کا استھان ہے۔ارے ہر وقت میرے صبر کو آزماتا رہتا ہے یہ لڑکا۔

جی یہ باوا ہی کا استھان ہے۔وہ بڑے جذب سے پیٹھ موڑ کر بولا،

ارے خدایا کیا قیامت ہے۔نامراد گھر میں ذرا سی خوشی نہیں دیکھ سکتا۔بغضی،حاسد، ایک اس نامراد کو ہر وقت پڑی رہتی ہے۔احسن بھائی احسن بھائی،ارے یہ بھائی نہیں ہے خون آشام بلا ہے۔دانت گاڑ دے گا کسی دن حلق میں۔

سعدیہ بیگم نے دو دھپ شالی کے رسید کیے اور روتی ہوئی زینہ اترنے لگیں۔شالی کو بھی ساتھ گھسیٹ کر لے گئیں۔وہ باہر ہی کھڑی تھی۔وہیں کھڑے کھڑے سب کچھ سنا تھا۔اس نے اس قسم کے مظاہرے متعدد بار اس گھر میں دیکھے تھے۔بچپن سے لے کر اب تک۔

یہ راز اس پر ابھی منکشف نہیں ہے کہ وہ

مرے بدن کی نہیں روح کی ضرورت ہے

اس دن شالی سے اسے ضروری نوٹس لینے تھے۔وہ بڑی عجلت میں آئی تھی۔سارا گذر سنسان پڑا تھا۔وہ سیدھی شالی کے کمرے کی طرف آئی تھی،مگر وہاں کسی کو نہ پا کر پلٹی ہی تھی کہ

ڈائینگ روم سے احسن نکلتا دکھائی دیا۔

یہ شالی وغیرہ کدھر ہیں؟ اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

وہ میرے نمک خوار نہیں ہیں جو مجھے بتا کر یا اجازت لے کر جائیں۔ حسب عادت تلخ جواب ملا۔

آتی ہوں گی۔ بیٹھ جاؤ۔ اوہ۔۔۔ اچھا آؤ، تمہیں کچھ نئی تصویریں دکھاؤں۔ اس کا موڈ پل میں بدل گیا۔ وہ اسی میں اپنی عافیت سمجھتے ہو اس کے پیچھے چلی آ گئی۔

دیکھو، زیادہ تر خواتین ہی کی تصاویر ہیں۔ اس لیے تمہیں پسند آئیں گی۔

یہ دیکھو، یہ انتظار کی کیفیت ہے اور اس میں دیکھو نا امیدی کا تاثر۔ یہ دیکھو، ایفاعہد کا منظر، بس اس نوجوان کی ذرا مونچھیں ٹھیک کرنا ہیں اور یہ دلہن ہے اس کے سر سے دوپٹہ ڈھلکا ہوا ہے مگر یہ دلہن ہے اور اس کے رخسار پر یہ داغ دیکھ رہی ہو؟ یہ تل وِل نہیں ہے۔ سگریٹ سے جھلسا ہوا رخسار ہے یہ۔ تم کہو گی سگریٹ سے کیوں جھلسایا گیا ہے؟ تو عرض ہے کہ عین وقت پر آگ نزدیک تو ہوتی نہیں مگر سلگی ہوئی سگریٹ تو ہر جگہ میسر ہو سکتی ہے۔

تابندہ کی کھوپڑی بھک سے اڑ گئی۔ اس نے بیطرح خوفزدہ ہو کر احسن کی سمت دیکھا۔

گرے شلوار سوٹ میں بظاہر باوقار نظر آنے والا وحشی۔

آپ۔۔۔ آ۔۔ وہ ہکلانے لگی۔

ارے بھئی، ڈرو نہیں۔ یہ تو تصویر ہے۔ مصور کا خیال ہے محض۔

احسن بھائی۔

فرمائیے۔

مجھے جانے دیجیے، آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ وہ مرنے کو ہو گئی تھی۔

ارے بھئی، میں نے کب تمہیں روکا ہے مگر تصویروں پر کچھ کمنٹس تو دیتی جاؤ۔

بہت اچھی ہیں۔ وہ بمشکل بولی۔

یہ جلے ہو رخسار والی، کہو ہے نا منفرد خیال؟

جی۔۔۔۔ جی۔۔۔ جی؟۔۔۔۔ جی ہاں۔ اس کا جی تو بہت چاہا کہ اس انفرادیت کی وضاحت مانگے مگر اس وقت جان پر بنی تھی، بری طرح ہکلا کر رہ گئی۔

تابندہ

جی؟ اس نے نظریں اٹھائیں۔ وہ ہاتھ کی اوک میں سگریٹ سلگانے لگا تھا۔ اس نے خوفزدہ انداز میں اسے دیکھا۔ اس نے بھی نظریں اٹھا دی تھیں۔ گھبرا ہو سراپے پر چور نظر ڈال کر وہ بیساختہ مسکرایا۔

ڈرو مت، کیوں ڈرتی ہو اس قدر؟ وہ آگے بڑھا۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

کمال ہے یار۔ وہ کمال پر زور دے کر بولا۔ تم تو اس طرح ڈرتی ہو جیسے میں تمہیں سالم نگل جاؤں گا۔ اس نے تصویر پر پردہ گراتے ہو بڑی انسانیت سے کہا۔

تابندہ لڑکیاں اگرچہ شیشہ ہوتی ہیں مگر انہیں جلایا جا سکتا ہے، توڑا نہیں جا سکتا۔ میں

حیوان نہیں ہوں تابندہ اور تم تو شیشے کا حسین بت ہو۔ بہت خوبصورت معبد بنواؤں گا تمہارے لیے۔ مجھ سے کبھی نہ ڈرنا۔

احسن بھائی وہ سارا ڈر بھول کر بگڑ اٹھی۔ ہوش میں تو ہیں آپ؟

اگر تم سب اسی طرح شک وشبہہ میں مبتلا رہے میرے متعلق تو ایک دن واقعی ہوش کھو بیٹھوں گا۔ اگر میں پاگل ہوں، دیوانہ ہوں تو زنجیروں سے باندھ کر مجھے گدو بندر کیوں نہیں چھوڑ آتے۔ حیدر آباد دور ہے یہاں سے؟ وہ دوبارہ اپنے مخصوص رنگ پر آ گیا۔ وہ ایک دم باہر بھاگ لی۔ قدم رکھتی کہیں تھی پڑتے کہیں تھے۔ یوں گمان ہوتا تھ گویا پیچھے سے وہ ایک دم گردن دبوچ لے گا۔

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

شالی سے بڑی منزہ عرف بلو لاہور سے آ چکی تھیں۔ گھر میں شادی کی زبردست تیاراں تھیں۔ بلو کا لاوہر جانے کا پروگرام تھا، نہ ارادہ تھا۔ وہ تو نانی زبردستی لے گئی تھیں۔ مگر تابندہ تو اسی دن کے بعد وہاں جا کر نہ پھٹکی تھی۔ یہ بات نہیں تھی کہ احسن کا اس نے یہ رنگ پہلی مرتبہ دیکھا تھا کیونکہ وہ زرعی یونیورسٹی حیدر آباد میں بعلیم پانے کی وجہ سے وہیں ہاسٹل میں تھا۔ اس لیے کچھ فراموش سا کر دیا تھا اسے لیکن اس بار تو اس کیک ایک ایک عادت جلا پا کر نکھری ہوئ تھی۔ بچپن اس کے ساتھ گزرا تھا۔ لڑکپن میں اسے برتا تھا مگر جانے کیوں وہ اس سے خوفزدہ

رہنے لگی تھی بچپن میں یہ بات بھی تھی کہ چچا چچی کا اس پر سخت کنٹرول تھا مگر اب تو وہ کسی کو گردانتا ہی نہ تھا۔ اس کے یہی ڈھنگ دیکھ کر تابندہ بیحد محتاط ہوگئی تھی۔ کتنے دنوں سے اس کے بلاوے آ رہے تھے مگر وہ نہیں گئی۔ کہ بس بارات والے روز چلی جا گی۔ کہاں تو یہ شالی کے بغیر نوالہ حلق سے نیچے نہ اترتا تھا، کہاں اتنے اہم موقع پر منظر سے غائب تھی۔ دو دن تو بیماری کا بہانہ چل گیا مگر مہندی کی رسم کے روز تو امی بھی بگڑ گئیں کہ لڑکیاں آ کر روز پاؤں چھور ہی ہیں تم نخروں پر تل رہی ہوں۔ وہ ناچار تیار ہورہی تھی کہ سنی سے معلوم ہوا کہ احسن بھائی تو پرسوں فیصل آباد کسی کام سے جا چکے ہیں پھر تو گویا اس میں چاب بھر گئی۔ نہایت اہتمام سے تیار ہوتی گئی۔ حود پر لعنت بھیجتی گئی کہ اتنی خوبصورت گیدرنگ مس کی۔ کیا ضرورت تھی اس قدر خوفزدہ ہونے کی۔ کون سا اکیلا گھر تھا زمانے بھر کے تو مہمان بھر ہو ہیں۔ شالی کے ہاں، اس نے خود کو نہایت اہتمام سے سنوارا۔ شالی سے کہہ دیا تھا کہ وہ دودان کے ہاں ہی ہوگی۔ آج تو دلہا والے مہندی لے کر آ رہے ہین، کل ہم لوگ جائیں گے۔ امی کو کیا اعتراض تھا۔ بخوشی اجزت دے دی۔

وہ ایک دم ہلکی پھلکی ہوگئی تھی اور شکر کر رہی تھی کہ وہ یہاں نہیں ہے۔ اس دن کے بعد وہ واقعی اسے بہت ڈر لگنے لگا تھ مگر اب وہ بہت مسرور تھی۔ لڈی، چٹک میں حصہ لیا تھا۔ سہاگ کے گیت گا تھے۔

اگلے روز دلہا کے ہاں جانے کی تیاری میں سارا دن بھگدڑ مچی رہی۔ مہندی کے تھال سجا

گئے، ڈوریاں بنائی گئیں جنہیں لڑکیوں نے تھال اٹھاتے وقت انگلیوں میں لپیٹ کر زنجیر کا سلسلہ بنانا تھا۔

وہ لوگ رات دو بجے واپس ہوئی تھیں، وہاں سے آکر پھر بجا اس کے کچھ آرام کرتیں ڈھولک لے کر بیٹھ گئیں۔

احسن کی غیر موجودگی میں اس کے کمرے میں بھی مہمانوں کا تصرف تھا۔ وہ سارا دن مصروف رہی تھی، اس لیے نیند لینے کے لیے کمرے میں چلی آئی۔ نیند سے برا حال تھا۔ بیڈ پر ایک دو خواتین دراز تھیں۔ کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ لان سے قمقموں کی روشنی براستہ دریچے اندر چھن چھن کر آرہی تھی۔ وہ بیڈ بھرا دیکھ کر صوفے پر لیٹ گئی۔ آنکھیں موندتے ہی غافل ہوگئی۔

مگر اسے اٹھ جانا پڑا کیونکہ کوئی اسے جگا رہا تھا۔ وہ ایک دم بدحواس ہوگئی کیونکہ نیلے بلب کی مدھم روشنی میں اس کے سامنے احسن کھڑا تھا۔

اس نے بیڈ کی سمت دیکھا، کمبل سمٹا ہوا پائنتی پر پڑا تھا۔ چادر پر شکن تھی، تکیے بےترتیب تھے۔ احسن الگ نیند کا مارا لگ رہا تھا۔ شب خوابی کے آسمانی ڈریس میں وہ خود بھی بےترتیب لگ سا لگ رہا تھا (یقیناً کسی غلط فہمی کی بنا پر سو رہی ہے)

تابندہ پلیز وہاں جا کر سو جاؤ جہاں دوسری لڑکیاں ہیں۔ میں خود کہیں اور سو جاتا مگر ڈرائنگ روم تک خواتین سے فل ہے۔ اس لیے مجبوراً تمہیں اٹھانا پڑا۔ میں تم بیحد آرام سے سو

رہا تھا۔ یونہی آنکھ کھلی تو دیکھا صوفے پر کوئی سو رہا ہے دیکھا تو تم تھیں۔ یہ تمہارے لیے بہتر نہیں ہے تابندہ۔ اس لیے پلیز کسی اور کمرے میں۔ خواہ مخواہ افسانے بن جاتے ہیں۔ وہ بھاری آواز میں بولتا ہوا اپنے ماضی سے بالکل مختلف نظر آرہا تھا۔

اور وہ تو بہت کچھ سوچ کر ہراساں ہوگئی۔ شرمندہ شرمندہ سی اٹھ کر باہر آگئی۔ خدایا یہ کہاں سے اگ آئے راتوں رات۔ اس کی تو نیند ہی اڑ گئی تھی۔ یہ وحشی اتنی باریکی سے بھی سوچ سکتا ہے؟ وہ حیران تھی، مگر بہت شرمندہ بھی تھی۔

نگاہ شوق سر بزم بے حجاب نہ ہو
وہ بیخبر ہی سہی اتنے بیخبر بھی نہیں

رات تو وہ ہوش میں نہیں تھی، نیند و تھکن کا غلبہ تھا مگر صبح اٹھنے کے بعد جب رات کا منظر اس کے ذہن نے دہرایا تو اسے عجیب طرح کی خجالت کا احساس ہوا لیکن یہ بھی ہوا کہ ساری زندگی میں پہلی مرتبہ اس کے لیے تابندہ کے دل میں اچھا سا تاثر پیدا ہوا۔ ساری زندگی اس سے ڈرتی رہی تھی، صرف وہی نہیں، بلو، شالی، سعدیہ بیگم اردگرد کے دوسرے پڑوسی بچے (سابقہ) کہ اب تو وہ سب ان ہی کے ہم عمر تھے۔ پہلے سے زیادہ گہری دوستیاں ہو چکی تھیں مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ احسن کے قریب آنے کے بجالوگ اس سے دور ہی ہوتے تھے۔ بہرحال رات اس نے بڑا گہرا تاثر تابندہ پر چھوڑا تھا۔

وہ شالی، سعدیہ بیگم کے ساتھ انتظامات میں مصروف تھی۔ ڈرائنگ روم میں ناشتے کے

بعد پھر ڈھولک پر تھاپ پڑنا شروع ہو گئی تھی۔

تابندہ ایسا کرو، اتنا ابٹن پڑا ہوا ہے، نہانے سے پہلے بلو کے ایک مرتبہ اور لگوا دو۔ ابٹن بہت اچھا ہے۔ مراد آبادی ہے۔ پچھلی مرتبہ رشید) شالی کے والد (کی چچی ہندوستان سے لائی تھیں۔ میں نے بہت سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ شاید بلو اب رضامند ہو تم اسے ذرا بہلا کر ہی لگا دو، خواہ مخواہ پھنک کر جا گا۔ وہ عجلت میں جلدی جلدی بتا کر نوکر کی طرف مڑ گئیں۔

ابھی ابٹن شروع ہی کیا تھا کہ لڑکیوں نے شرارت شروع کر دی۔ گولے بنا بنا کر نشانے باندھنے لگیں۔ اس کا مہندی کلر کے خوبصورت سوٹ کا ستیاناس ہو گیا۔ وہ اٹھ کر کپڑے بدلنے باہر آ گئی۔

ایک دو سوٹ اس نے ہمراہ رکھ لیے تھے۔ کاسنی رنگ کے پلین سوٹ اور پرنٹڈ دوپٹے میں وہ بھی وہ ایک ہی نظر آ رہی تھی۔ وہ واپس ڈرائینگ روم میں آئی تو لڑکیاں اسی طرح شرارتوں اور کانوں میں مصروف تھیں۔ سوئچ بورڈ کے پاس الیکٹریشن کے ہمراہ احسن کھڑا ہوا تھا۔ تاروں کا گچھا اٹھا ہو غالبا۔ باہر لائٹنگ کا انتظام درست کیا جا رہا تھا۔ آف وہائٹ پینٹ اور سیاہ چیک کی شرٹ میں ہمیشہ کی طرح ویل ڈریسڈ نظر آ رہا تھا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا جیسے کچھ ڈھونڈ رہا ہو پھر دانتوں سے تار کاٹنے لگا۔ وہ اس قدر متاثر کن شخصیت رکھتا تھا کہ بہر حال سب اس کی موجودگی ڈرائینگ روم میں محسوس کر رہے تھے۔

شالی کی لاہور سے آئی ہوئی کزن بڑے پیارے پیارے ٹپے، ماہیے گا رہی تھیں۔ وہ

ساتھ بیٹھ کر تالیاں بجانے لگی۔ وہ عین اس کے سامنے تھا۔ اب مڑ کو سوئچ بورڈ کھول رہا تھا۔ بعض لڑکیاں جو احسن سے واقف نہیں تھیں اسے دیکھ کر زیادہ ہی چہک رہی تھیں۔

چٹا ککڑ بنیرے تے
کاسنی دوپٹے والیے منڈا عاشق تیرے تے

لڑکیاں ٹپہ گا رہی تھیں۔ (سفید مرغ منڈیر پر۔۔۔ کاسنی دوپٹے والی لڑکا عاشق تجھ پر ہے۔)

لڑکیوں نے شرارت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ (گاتے گاتے) سب کی نظریں تابندہ پر ٹکیں۔ سچویشن کے عین مطابق وہ کاسنی کپڑوں میں تھی۔ لڑکیوں کے اس طرح ہنسنے پر ایک لمحے کو وہ بھی جھینپ گئی۔ گویا یہ ٹپہ اسی کے لیے تخلیق کیا گیا ہو۔ اسے ایک دم احساس ہوا کہ وہ کسی کی نگاہوں کی زد میں ہے۔ اس نے بیساختہ نظریں اٹھائیں۔ تاروں کے سرے ملا کر بل دیتے ہو وہ مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ غالبا اس نے بھی لڑکیوں کی شرارت کا نوٹس لیا تھا۔ تابندہ نے سٹپٹا کر نگاہوں کو جھکا لیا۔ اس کا دل عجیب انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔ اس سے تالیاں بھی نہ بجائی گئیں۔ وہ ہنوز سوئچ بورڈ کے پاس تھا۔ ڈھولک کی تھاپ اونچی ہو گئی۔ لڑکیاں کبھی کبھی چور نظروں سے اس خود اعتماد نوجوان کو بھی دیکھ لیتی تھیں جو بہت مصروف تھا۔ شالی دل ہی دل میں حیران ہو رہی تھی کہ آج احسن بھائی گھر میں دلچسپی کیوں لے رہے ہیں۔ ورنہ ان کا تو یہ حال ہے کہ کوئی مرے یا جیے جان یان کی بلا۔

بارات کی آمد سے قبل وہ بہت اہتمام سے تیار ہو چکی تھی۔ گھر سے امی وغیرہ بھی آ چکی تھی۔ وہ بلو کے پاس بیٹھی شالی کی کلائی میں چوڑیاں ڈال رہی تھی کہ وہ دروازے پر دستک دے کر اندر چلا آیا۔

کیا تم لوگوں نے مہمانوں کے ڈرسیچا کی پتی کہیں چھپا کر رکھ دی ہے ایک تو میں تم لوگوں سے کبھی اپنے کام کے لیے نہیں کہتا ہوں۔ خود کرنے لگتا ہوں تو چیزیں غائب۔ اب کیا چابھی خرید کر بیڈروم میں رکھنا پڑے گی۔ وہ بلا کامے، فل اسٹاپ شالی پر برہم ہو رہا تھا۔

بلو نے ناگواری سے منہ بنایا۔ سب اتنے مصروف ہیں، عجیب افراتفری مچی ہے، انہیں بیوقت چا کی سوجھی ہے۔ ابھی چار بجے تو سب چا پی رہے تھے۔

چپ کریں اپیا کہیں سن نہ لیں۔ شالی نے بہن کو ٹہوکا مارا۔

ہونہہ، سن لیں تو سن لیں۔ جان کے دشمن۔ رنگ میں بھنگ ڈالنا تو کوئی ان سے سیکھے۔

بلو کا موڈ خراب ہو گیا تھ۔ تب شالی گھبرا کر اٹھ کھڑی ہئی۔

وہیں تھی چا تو، احسن بھائی آپ مجھے کہہ دیتے۔ شالی نے خیر سگالی کا انداز اپنیا۔

تم لوگوں کو اپنے ہار سنگھار سے فرصت تو مل جا۔ اس نے پھر پتھر مارا۔

دیکھا تم نے، اس شالی نے نواب صاحب کا مزاج اور خراب کر دیا ہے۔ خواہ مخواہ آگے پیچھے پھرتی ہے۔

بلو تابندہ کی طرف متوجہ ہو کر گلہ آمیز انداز میں گویا ہوئی تھی۔ اتنا کہتی ہوں، سنی ان سنی

کر جایا کرو۔ ان سے تو وہی بات کرے جسے اپنی توہین کرانی ہو۔ اتنا تو کوئی سگا بھی نہ کرتا جتنا ہم نے ان کا کیا ہے۔ میں نے تو امی سے کئی بار کہا کہ انہیں تو بچپن سے ہی پاگل خانے بھیج دینا چاہیے۔ کم از کم سکون تو ہوتا۔ بلو کا لہجہ نفرت سے کڑوا ہو رہا تھا۔

ارے نہیں، اگر پاگل ہوتے خدانخواستہ تو اتنی تعلیم کیسے حاصل کرتے؟ تابندہ سے رہا نہ گیا۔

تم نے سنا نہیں کہ اپنے مطلب کو تو دیوانہ بھی ہوشیار ہوتا ہے۔ بلو نے اپنی نفرت کا جواز پیش کیا۔ بعض اوقات تو صاف لگتا ہے کہ ڈھونگ ہیں، ہمیں زچ کرنے کے۔ تم نے بھی ٹھیک کہا، واقعی تعلیمی ریکارڈ تو ان کا ٹھیک رہا ہے، مگر تم یہ بھی تو دیکھو، کیا یہ انسانوں کے انداز ہیں؟ مجھے تو لگتا ہے کوئی روح حلول کر گئی تھی ان کے اندر۔ بلو کی نفرت لاانتہا تھی۔ وہ تو تھی ہی خاموش طبع کی بلو کی زہریلی باتیں صبر سے سنتی رہی۔ اگرچہ اس کو بہت تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔

تم زمانے کی راہ سے آ
ورنہ سیدھا تھا راستہ دل کا

سعدیہ بیگم شوہر کے انتظار میں ابھی تک جاگ رہی تھیں کہ دروازہ بجا۔

کون ہے؟ آ جاؤ۔ انہوں نے کتاب سے نظریں ہٹا بغیر کہا۔

وہ اندر آ گیا اور بغیر کچھ کہے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ انہوں نے ناگواری اور تعجب کے ملے

جلے احساسات کے تحت اسے دیکھا تھا کیونکہ وہ کبھی ان کے بیڈروم میں نہیں آیا تھا۔

کیا بات ہے؟ انہوں نے سرد مہری سے پوچھا۔ ایسا رویہ جیسے وہ اپنے بدام سے مخاطب ہوں۔ اٹھ کر بیٹھنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی تھی بلکہ مستقل کتاب میں گم تھیں۔

ایک بہت خاص بات کرنی ہے آپ سے۔ اس نے ان کے رویے پر اپنی تلخی چھپا کر بڑے ضبط سے کہا۔

وہ اس طرح اٹھ بیٹھیں جیسے اس کی سات پشتوں پر احسان کیا ہو۔

کہو۔ انہوں نے اس کو بڑی تفصیل سے دیکھا۔

میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے اپنے مخصوص نڈر انداز میں بڑے عام سے لہجے میں کہا۔

کہاں کر رہے ہو؟ انہوں نے رکھائی سے دریافت کیا۔

آپ ہی لوگ کریں گے۔ وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔

کون دے گا تمہیں لڑکی؟ کم از کم میرے جاننے والے تو یہ سننا بھی گوارا نہیں کریں گے۔ انہوں نے استہزائیہ انداز سے کہا۔

کیوں؟ کیا ہاتھ پاؤں نہیں ہیں میرے یا نابینا ہوں؟ یا غریب اور جاہل ہوں اور نہ ہی بدشکل ہوں۔ حالانکہ سنا ہے مرد کی شکل نہیں دیکھی جاتی۔

یہ ہی تو کہہ رہی ہوں صرف شکل نہیں دیکھی جاتی اور تمہارے پاس سوا شکل کے اور ہے

ہی کیا؟ انہوں نے نفرت سے اسے دیکھا۔ سیاہ شلوار قمیص میں اوپر کے دو بٹن کھولے آستینیں پلٹے مکمل مرداں گی کا شاہکار نظر آ رہا تھا۔

اس قدر غلط بیانی سے کام نہ لیں چچی جان اور کیا ہونا چاہیے۔ شکل بھی ہے، پیسہ بھی ہے، باپ کی کمائی بھی ہے۔ میرا مطلب ہے جائیداد وغیرہ۔

سب کا پتا ہے۔ وہ کترا کر گویا ہوئیں۔ مگر پھر بھی کوئی اپنی لڑکی جانتے بوجھتے جہنم میں نہیں جھونکے گا۔

اگر یہ گھر جہنم ہے تو اس میں بھی آپ ہی کا حصہ ہے کہ گھر تو آپ ہی کا ہے۔

میں گھر کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ تمہاری حرکتوں، تمہاری عادتوں کی بات کر رہی ہوں، تمہارے پاگل پن کے دورے کی بات کر رہی ہوں۔ ان کی زبان تلوار سے تیز ہونے لگی۔

بس کریں چچی جان حد ہوتی ہے برداشت کی۔ یہ بھی آپ ہی نے اڑائی ہو گی کہ میرا دماغ خراب ہے۔ اس نے جواباً نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

لوگوں کے پاس آنکھیں ہیں۔ اللہ کی دی ہوئی عقل ہے۔

میں مزید کچھ سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میں تابندہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے بگڑ کر کہا۔

لو بھلا کسی دور پرے رہنے والی لڑکی کا رشتہ مانگتے تو کوئی بات بھی تھی۔ تابندہ ہونہہ دیوار سے دیوار ملی ہے۔ رشتیداروں سے چھپ سکتا ہے کچھ پڑوسی سے نہیں جب کہ ہمارا اتنا میل

جول بھی ہے۔ وہ بھڑک گئیں۔ خوب ذلیل کرنے کا سوچا ہے بخشو بابا۔ ان کی اکلوتی بیٹی، تعلیم یافتہ، خوبصورت، انہیں رشتوں کی کیا کمی؟۔۔۔۔ وہ بھبھک کر بولیں۔ لوگ گھر اور شکل دیکھ کر بیٹیاں نہیں دیتے۔ عادتیں مزاج بھی دیکھے جاتے ہیں۔ تابندہ کا تو خیال بھی ذہن میں نہ لانا۔ ارے میرے آگے بھی بیٹیاں ہیں۔ میں کیوں کسی کی بچی پر ظلم کروں۔ انہوں نیبڑے برہم انداز میں اسے گھور کر کہا۔

محض آپ کی نفرت اور عداوت ہے۔ ورنہ میں خود کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ آپ کیوں مجھے خوش دیکھنے لگیں۔ چچی جان کیا مجھے علم نہیں کہ عرفان بھائی کی شادی چار سال کے لیے کیوں ملتوی کر دی گئی ہے۔ اس لیے کہ لندن جیل سے ان کی رہائی ہی چار سال بعد ہو گی۔ اس نے آگ لگا دینے والی مسکراہٹ ہوٹوں پر سجا کر گذورا۔

شاید لوگوں کو علم نہیں کہ بلو کی شادی پر آپ بار بار بیہوش کیوں ہو رہی تھں۔ صدمہ جو دہرا تھا ایک بیٹی کی جدائی کا دوسرے بڑے بیٹے کی غیر موجودگی۔

اچھا تو تم اب اس نیچ پن پر اتر آ ہو۔

نہیں چچی جان میں تم یہ کہہ رہا ہوں کہ جب ایک سزا یافتہ نو جوان کو ساہوکار کی حسین بیٹی مل سکتی ہے، اصلیت چھپا کر ہی سہی تو پھر میں تو معاشرے میں معزز مقام رکھتا ہون۔ مفرور نہیں ہوں۔ قاتل نہیں ہوں۔ اس کے باوجود، پ تابندہ کے ہاں جائیں گی، ہر حال میں وہ میری ہو گی۔۔ وہ میری ہے۔ وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

دیکھو میاں اگر تم ہمیں اس لیے دبانے کی کوشش کر رہے ہو کہ تمہارے باپ نے رشید کی مالی امداد کی تھی۔ انہیں کاروبار کرایا تھا تو اس احسان کا بدلہ ہم تمہیں اس گھر میں رکھ کر مسلسل ذہنی عذاب میں رہ کر اتار چکے ہیں، جہاں سنیگ سمائیں چلے جاؤ۔ خدا کے واسطے اب ہمارا پیچھا چھوڑ دو۔ وہ رونے لگیں۔

میں چلا جاؤں گا چچی جان مگر اس وقت جب تابندہ میری ہو گی۔ میں اسے ساتھ لے کر جاؤں گا۔

وہ لوگ نہیں مانیں گے۔ سعدیہ بیگم نے آنسو پونچھے۔

جب آپ اپنے مجرم بیٹے کے لیے ایک معزز گھرانے کی لڑکی باندھ رکھنے پر قادر ہیں تو؟

جب اصفیہ سے رشتہ ہوا تو عرفان مجرم نہیں تھا۔ وہ بدستور اڑی ہوئی تھیں۔

جب وہ بات چھپ سکتی ہے تو دیکھیے اگر میری شادی تابندہ سے نہ ہوئی تو اصفیہ بھی کبھی اس گھر میں نہیں آ گی۔

تم احمق گستاخ نیم پاگل تو تھے ہی اب بلیک میلر۔ وہ دانستہ رک گئیں۔

خون جو ایک خاندان کا رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ بھائی کا اثر تو آ سکتا ہے ناں۔ اسمگلر نہ سہی بلیک میلر ہی سہی اور پھر یہ بلیک میلنگ تو نہیں اپنا فطری حق مانگ رہا ہوں۔ انصاف مانگ رہا ہوں۔ جب تک آپ کا اختیار تھا۔ خوب حق تلفی ہوئی مگر اب چھین لینے کی قدرت رکھتا ہوں۔

تو چھین لو۔ میری منتیں کیوں کر رہے ہو۔

یہ بھی کر سکتا ہوں مگر اس طرح بھی نقصان آپ ہی کا ہے۔ وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بولا۔

کاش تمہاری ماں اتنی جلدی نہ مر گئی ہوتی۔ کم از کم تھوڑی بہت تمیز تو سکھا جاتی تھیں۔ وہ بڑبڑائیں۔

آج رات تو فی الحال آپ چچا سے بات کریں۔ باقی باتیں کل ہوں گی۔ وہ پردہ اٹھا کر باہر نکل گیا۔ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگیں۔ ماں باپ کیوں مر گئے اس کے یہ ہی مر گیا ہوتا۔ نامراد کون سا سکے ڈھال رہا ہے سونے کے یا اس کے بغیر دنیا کے کام رکے ہو ہیں۔ نیک نامی کی عمارت انہیں لرزتی دکھائی دے رہی تھی۔ اس سے تو کچھ بعید بھی نہیں۔ وہ کوسنوں پر اتر آئی تھیں۔

اسی دم رشید صاحب اندر چلے آئے۔ بیوی کی شکن آلود پیشانی دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔

بھئی کام ذرا زیادہ تھا، بتایا تو تھا تمہیں۔ وہ سمجھے کہ وہ ان کے دیر سے آنے پر خفا بیٹھی ہیں۔

اجی میری بلا سے ساری رات نہ آئیں آپ۔

اوہو ہو، آج تو واقعی کوئی گڑبڑ ہے۔ انہوں نے کوٹ اتارتے ہو تشویش کا اظہار کیا۔

اب بھتیجے کا پالنے سے بہتر تھا آپ مجھ پر سوتن لے آتے۔ ٹھیکہ نہیں لیا میں نے ساری عمر

کا، غضب خدا کا۔ نہ بات کرنے کی تمیز نہ ادب منہ کے آگے خندق ہے، جو منہ میں آتا ہے بک دیتا ہے۔ بس آپ کہہ دیجیے اسے، چلا جا یہاں سے وہ۔ ورنہ میں کچھ کھا کر سو رہوں گی۔ ان کی آواز بھرا گئی۔

رشید صاحب کو ایک دم وقت کی سنجیدگی و سنگینی کا احساس ہوا۔ وہ بیوی کے پاس کر بیٹھ گئے۔

سعدیہ بھئی آخر بات کیا ہوئی؟

میں برسوں سے کہہ رہی ہوں، یہ لڑکا نیم پاگل ہے۔ اس کا علاج کرائیں، مگر آپ نے میری بات پر کبھی توجہ نہیں دی۔ وہ الٹ پڑیں۔

خدا نہ کرے سعدیہ وہ کیوں پاگل ہونے لگا۔ احساس محرومی کی وجہ سے ضدی ہو گیا ہے اور ضد کا علاج محبت ہے۔ تم کبھی محبت سے۔۔۔

اجی بس کریں۔ خوب صلہ ملا ہے اسے رکھنے پالنے کا۔ ارے میں نے کون سا اس پر ظلم کیے ہیں۔ اس پر سے ہاتھی گزارے ہیں۔ بجلی کے شاک لگا ہیں۔ وہ شوہر کی بات کاٹ کر مزید تپ کر گویا ہوئیں۔

ہونہہ، احساس محرومی۔ تیس ماؤں کی محبت ایک طرف آپ ایک طرف۔ اب بھی احساس محرومی۔ آپ کے سامنے بنا رہتا ہے گھنا۔ آنے والے سالوں میں اگر ہم میں سے ایک کو پاگل بنا کر نہ چھوڑ دیا تو نام بدل دیجیے گا میرا۔ کس قدر اذیت و کوفت دینے والی حرکتیں

اور عادتیں ہیں اس کی۔

یہ تو تم بہت عرصے سے کہہ رہی ہوں مگر بتاؤ اب ہوا کیا ہے؟ وہ تھکے ہو لہجے میں گویا ہو۔

تب انہوں نے حرف بہ حرف گوش گزار کر دیا۔

غلطی تمہاری ہی ہے سعدیہ تم نے تابندہ کا رشتہ مانگنے سے فورا انکار کیوں کر دیا۔

جی وہ تو مجھے پتا ہی تھا غلطی میری ہی نکلے گی۔ آپ سے زیادہ جانتے ہیں آپ کے پڑوسی، آپ اس گھر کی چھت تلے چھ گھنٹے گزراتے ہیں۔ ان سے چوبیس گھنٹوں کا ساتھ ہے، خوب واقف ہیں اس کی حرکتوں سے، بدتمیزیوں سے۔۔۔

ایک تو میری سمجھ میں نہیں آتا تم اس کی کون سی بدتمیزیوں اور بیوقوفیوں کا تذکرہ کرتی رہتی ہو۔ ہر وقت تو وہ مصروف رہتا ہے۔

ارے خدا معلوم کس پر گیا ہے آپ کے سامنے تو کمرے سے ہی نہیں نکلتا مکار۔

بہر حال میں خود تابندہ کے والد سے بات کر لوں گا۔

خدا کے واسطے رشید صاحب کیوں اس کی خاطر خود کو خاک کرتے ہین۔

میں تمہیں تو کوئی تکلیف نہیں دے رہا۔ بس اب تم خاموش ہو جاؤ۔ وہ خود جانتی تھیں کہ وہ بھتیجے کی محبت میں ایک لفظ نہ سنیں گے۔

ارے، ہ کسی کی بچی کی آہ لگ گئی تو۔۔۔؟ رشید صاحب خدا آپ کو سمجھ دے۔ وہ زبردستی سونے کی کوشش کرنے لگیں۔

انہوں نے سوچ لیا۔ وہ اب اس موضوع پر کوئی بات نہیں کریں گی۔ ان پر تو پہلے ہی دکھوں کے پہاڑ ٹوٹے ہوئے تھے۔

زمانہ بر سر آزار تھا، مگر فانی

تڑپ کے ہم نے بھی تڑپا دیا زمانے کو

رشید صاحب کو دیکھ کر تابندہ کے چچا وحید صاحب کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ عید تہوار پر ہی وہ تفصیلی ملا کرتے تھے۔ انہوں نے پرتپاک انداز میں خیر مقدم کیا۔ تابندہ کی امی کو بھی بلا لیا۔ وہ بھی حیران تھیں۔ سرشام انہیں اپنے گھر میں دیکھ کر سعدیہ بیگم زبردستی مسکرانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

دیکھیے بھابی آج ہم نے اپنی غرض کے لیے آپ کے ہاں حاضری دی ہے۔ آپ اور ہم گزشتہ بائیس سال سے ایک ساتھ ہیں۔ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ رشید صاحب نے رسمی سی گفتگو کے بعد اپنا مدعا بیان کرنے کے لیے میدان ہموار کیا۔

جی، حکم کیجیے اگر ہمارے اختیار میں ہوا تو؟

سب کچھ آپ کے اختیار میں ہے بھابی فی الوقت تو سب ہی کچھ۔

آپ تو اشتیاق بڑھا رہی ہیں بھابی آپ ہی کچھ بتایئے۔ رشید صاحب تو پہیلیوں میں باتیں کر رہے ہیں۔ تابندہ کی امی نے بیتابی سے کہا۔

ہم تابندہ کو اپنی بیٹی بنانا چاہتے ہیں۔ اصولا سعدیہ بیگم ہی کو لب کشائی کرنا پڑی۔

مگر عرفان کی تو منگنی۔ تابندہ کی امی حیران ہوئیں۔

عرفان کے علاوہ ہمارا ایک اور بیٹا بھی ہے احسن۔ رشید صاحب نے جلدی سے کہا۔

تابندہ کی امی نے چونک کر دونوں میاں بیوی کو باری باری دیکھا، پھر شوہر کو دیکھنے لگیں۔

مگر۔۔۔ آپ تو کہتی تھیں کہ وہ ذہن لحاظ سے۔۔۔ وہ حیران تھیں کہ کل تک تو سعدیہ بیگم ان کے پاس اس کے دکھڑے رو کر جاتی تھیں آج اس کے لیے دست سوال لیے بیٹھی ہیں۔

ارے نہیں وہ دراصل ضدی بہت تھا نا بچپن میں بس جھنجھلا کر غصے میں۔۔۔

انہوں نے شوہر کر دیکھ کر زبردستی مسکرا کر بات بنائی مبادا رشید صاحب کا دل مزید برا نہ ہو کہ ان کے لاڈلے بھتیجے کی۔ کتھائیں پڑوسیوں کو بھی سنائی جاتی رہی ہین۔

پھر بھی۔۔۔ اب دیکھیے نا اور بھی لوگوں نے کہہ رکھا ہے اور پھر تابندہ کی رضامندی بھی تو بیحد ضروری ہے نا۔ اب ایک ہی تو بیٹی ہے ہماری۔

ارے بھابی بالکل آپ تابندہ سے ضرور اس کی رضامندی لیجیے مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ نے ہم پر اعتماد کیا۔ تو انشا اللہ آپ کا اعتماد اسی طرح قائم رہے گا۔ میں آپ کو جوابدہ ہوں۔ بھائی ہوں آپ کا ہوں ویسے تو بولنا محال ہوتا ہے بھتیجے کے لیے۔ آج کہیں سے ادھار لا ہیں یہ زبان۔ بس نہیں جل رہا لڑکی اٹھا کر لے جائیں اور بھتیجے ک حضور پیش کر دیں۔ سعدیہ بیگم کو شوہر کی یہ عاجزانہ ادا ایک آنکھ نہ بھائی۔

اچھا خیر، ہم سوچ کر جواب دیں گے نا۔ اب شادی بیاہ کا معاملہ ہے، برا نہ مانیے گا۔

آپ رشتیداروں سے بڑھ کر ہیں ہمارے نزدیک۔ دس پندرہ دن بعد انشا اللہ آپ کو جواب دے دیں گے۔ جیسا بھی ہوا، ہمارے اپ کے فیصلے تو کھیل تماشا ہیں، جو بچوں کے نصیب میں ہوگا انہیں وہی ملے گا۔

تابندہ کی امی بیحد سلجھی ہوئی چاتون تھیں۔ بڑی وضع سے انہوں نے اپنی بات ختم کی۔

خدا کرے میرا مان رہ جا۔ رشید صاحب نے سادگی سے کہا پھر سب چا وغیرہ میں مشغول ہو گئے۔

یہ تو نہیں کہ تم سا جہاں میں کہیں نہیں
اس دل کو کیا کروں، یہ بہلتا کہیں نہیں

بلو آئی ہوئی تھیں۔ اڑتی ارتی ان تک پہنچ گئی تھی۔ اپنی امی اور شالی کے سامنے استہزائیہ انداز میں ہنس کر بولیں۔

امی وہ نانی جان کسی حیران کن بات پر کہا کرتی تھیں نا کہ سبحان تیری قدرت، سبحان تیرے کی۔ چھچھوندر کے سر میں چنبیلی کا تیل۔

اپی بات کے اختتام پر انہوں نے ایک بلند قہقہہ لگایا۔ کہاں تابندہ، کہاں احسن بھاغی،

ارے امی شکر کیجیے تابندہ کی امی بڑے لحاظ والی ہیں کوئی اور ہوتا تو یہی کہتا کہ یہ منہ، بلکہ احسن بھائی کے حساب سے یوں کہتا وہ منہ اور مسورک یدال۔

اب چھوڑیں اپیا جب انہیں اپنی پسند مل جا گی تو ٹھیک ہو جائیں گے۔ نہیں ہوں گے تو وہ

ٹھیک کردے گی۔شالی نے ہمیشہ کی طرح احسن بھائی کی حمایت میں کلمات ادا کیے۔

اسے اور پاپا کو تو انہوں نے کچھ گھول کر پلا رکھا ہے۔ بدمزاجی کی کوئی حد ہے نہ انتہا۔ بچپن سے پٹ پٹ کرا لو بن جاتی تھی ان کے ہاتھوں۔کوئی غیرت مند ہوتا تو شکل دیکھنا بھی گوارا نہ کورتا۔ بلو نے بہن کو ورغلایا مگر وہ ہاں سے اٹھ ہی گی۔

اسے اسلام آباد گئے ہو پندرہ روز ہو چکے تھے۔

آج وہ لوگ جواب سننے جا رہے تھے۔ سعدیہ بیگم کو اچھی طرح معلوم تھا کہ کیا جواب ملے گا۔

مگر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب تابندہ کے والد نے اثبات میں جواب دیا۔

دوبارہ تابندہ کی امی نے دہرایا۔ وہ ایسا کرنے پر مجبور تھیں۔ ان کی بیٹی نے تین چار طلب گاروں میں سے احسن کو چنا تھا۔ انہوں نے بیٹی کو سمجھا بجھا کر دوبارہ اس سے پوچھا تو اس نے سر جھکا کر کہہ دیا۔ امی ان سب سے اچھے احسن ہیں۔ وہ خاموش ہو گئیں۔

تابندہ کا وہاں بہت آنا جانا تھا۔ اگر اس نے احسن کی کوئی مشکوک حرکت دیکھی ہوتی تو وہ ایسا کبھی نہ کرتی۔ وہ سمجھدار لڑکی تھی مگر جانے کیوں انہیں دل سے خوشی نہ ہوئی تھی۔ آخر سعیدہ بیگم کا چڑھایا ہوا زہر تھا۔

بہر حال منہ میٹھا کرایا گیا ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔شالی کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔

وہ رات گیارہ بجے کراچی واپس آیا تھا۔ ساڑھے گیارہ بجے تک اسے بذریعہ شالی

خوشخبری موصول ہو چکی تھی۔ احسن کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا کہ وہ اتنی آسانی سے میدان جیت چکا ہے۔ شالی نے چچا کی کوششوں کے بارے میں بھی بتایا تھا۔ وہ دل سے چچا کا ممنوں تھا اور یہ خبر سن کر وہ رات بھر نہ سو سکا تھا۔ ایک خواب سا معلوم ہو رہا تھا۔

تجھے عشق دل سے کام تھا نہ استخواں کا پھونکنا
فقط ایک شہر کے واسطے تو نے نیستاں کو جلا دیا

رخصتی کے بعد جب حجلہ عروسی میں تابندہ کا میک اپ ٹھیک کرتے ہو شالی نے پوچھا۔

تابی کیا ادا بھائی تھی تمہیں احسن بھائی کی؟ تب وہ نظریں جھکا کر خاموش ہو رہی۔

کیا بتاؤں شالی اسی بیڈ روم کی کہانی ہے۔ آج بھی وہ بھاری آواز کانوں میں گونج رہی ہے۔ تابندہ جاؤ کہیں اور جا کر سو جاؤ۔ خواہ مخواہ افسانے بر جاتے ہین۔ اس نے سر جھکا کر سوچا۔ وہ افسانہ بن کر آج اسی بیڈ روم میں تھی۔ آج اسے کوئی یہاں سے بیدخل نہیں کر سکتا تھا وہ بھی نہیں۔

اس نے رات دو بجے تک اس کا انتظار کیا تھا مگر پھر نیند سے ہار گئی تھی مگر صبح پانچ بجے اس کی خود بخود آنکھ کھل گئی تھی۔ وسیع و عریض بیڈ کے دوسرے سرے پر وہ کروٹ کے بل محو خواب تھا۔ اسے حیا سی آ گئی۔ ملال الگ ہوا کہ وہ کیوں سو گئی تھی وہ کیا سوچتا ہو گا۔

وہ اٹھی بڑی آہستگی سے، بڑی خاموشی سے زیورات اتارنے لگی۔ خوبصورت جوڑا کھولا۔ وارڈروب سے شلوار قمیص نکالی اور باتھ روم میں چلی گئی۔ باوو پر عروسی جوڑا لٹکا باہر آئی

تو وہ خوابیدہ آنکھوں سے ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔اسے ٹوٹ کر حیا آئی۔قدم من من بھر کے ہو گئے۔صبح بخیر۔اس کی بھاری خوبصورت آواز کمرے کا سکوت توڑ گئی۔

وہ وہیں جم کر رہ گی۔

تاب ادھر آؤ پلیز۔اس کا یہ لہجہ قطعی اجنبی تھا۔وہ جھجکتی ہوئی گے بڑھ آئی۔

ادھر آؤ، پلیز، میرے پاس۔وہ نرمی سے گویا ہوا۔

وہ مزید آگ بڑھ آئی۔احسن نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے کپڑے لے لیے۔

سونے کی بہت رسیا ہو؟ چلو خیر، یہ بھی اچھا ہوا۔جی بھر کر رات تمہیں دیکھا۔اتنا پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔بہت ساری تصاویر بنائیں ہیں تمہاری۔اس نے پیچھے کھسک کر اس کے لیے جگہ بنائی اور آرام سے بٹھایا اور اس کی انگلی میں ایک خوبصورت انگوٹھی ڈال دی۔

ایک حقیر سا تحفہ وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرایا۔

وہ اسی طرح سر جھکا بیٹھی رہی۔نیند لے لینے سے حسن اور دلکش ہو گیا تھا۔احسن نے ہاتھ بڑھا کر سگریٹ کیس اٹھایا اور ایک سگریٹ نکال کر منہ میں دبائی، سگریٹ کیس واپس رکھ کر سگریٹ سلگائی۔

خوش تو ہو نا تاب؟ کچھ بولو تو سہی۔سچی بات تو یہ ہے اگر تمہارے گھر والے انکار کر دیتے تو تمہیں کسی نہ کسی طرح اڑا لے جاتا، کسی قیمت پر تمہیں نہ چھوڑتا۔خیر اچھا ہی ہوا کہ گھی سیدھی انگلی سے نکل گیا۔

اف۔تابندہ کے منہ سے بیساختہ کراہ نکلی تھی۔تڑپ کر رہ گئی تھی وہ۔

اوہ، معاف کرنا۔وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔بازو پر سگریٹ کا گول نشان بن گیا تھا، آستین جل گئی تھی۔اس جگہ سے تکلیف کی شدت سے تابندہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

اف، یہ کیسے ہو گیا۔ٹھہرو، میں کچھ لگاتا ہوں۔وہ شرمندہ سا تھا۔جانے کہاں سے کوئی ٹیوب نکال کر لایا اور بڑی آہستگی سے زخم پر مرہم لگایا۔تابندہ کی آنکھوں سے آنسو لڑھک کر رخساروں پر آ ٹکے تھے۔

ویری سوری تاب تمہارے جلوؤں نے اس قدر بیگانہ کر دیا کہ بس۔آؤ، اچھا لیٹ جاؤ آرام کرو۔ابھی تو سب ہی سو رہے ہیں۔

وہ جلے ہو بازو کی تکلیف ضبط کرتی ہوئی دوسری طرف آ کر ٹک گئی۔جلن اس قدر شدید تھی کہ ہر خوبصورت تصور محو ہو چکا تھا اور نیند بھی نہیں آ رہی تھی۔اپنی اس انیس سالہ زندگی میں پہلی مرتبہ اس جسم کو جلنے کا احساس ہوا تھا۔اتنے نازوں سے پالی گئی تھی پھر وہ سلیقہ مند بھی تھی۔ہر کام میں احتیاط کرتی تھی۔جلن کی شدت اتنی تھی، چین نہیں پڑ رہا تھا، کسی بھی طرح۔

کیا بہت تکلیف ہو رہی ہے جان؟

اس کے آنسو نکل پڑے۔اس ٹیوب سے بھی جلن میں کمی نہیں ہوئی۔وہ بمشکل گویا ہوئی۔

تب وہ اٹھ گیا۔سامنے دراز میں جانے کیا دیکھتا رہا۔پھر اس کی طرف پلٹا۔سائڈ سے

جگ اٹھا کر گلاس بھرا اور ایک ننھی سی گولی اس کی ہتھیلی پر رکھی۔

یہ گولی کھالو تاب نیند آ جا گی۔

اس نے گولی پانی سے نگل لی۔ یہ پوچھے بغیر کہ جلن میں کمی کی گولی ہے یا نیند کی؟

تھوڑی دیر بعد وہ ارد گرد کے ماحول سے غافل ہو چکی تھی۔

وہ دوسری جانب کہنیوں کے سہارے اونچا ہو کر اس کا چہرہ بغور دیکھ رہا تھا۔ رخساروں پر آنسوؤں کے نشان ثبت ہو گئے تھے۔

محبت، اک تپش ناتمام ہوتی ہے
نہ صبح ہوتی ہے نہ اس کی شام ہوتی ہے

اس نے باہر آ کر شالی سے کہہ دیا۔ گیارہ بجے سے پہلے تابندہ کو نہ اٹھانا اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

شالی پریشان ہو گئی۔ کیا ہوا احسن بھائی؟

ارے بھئی، ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اب تم ہر جگہ شور نہ مچاتی پھرنا۔

وہ گیارہ بجے جب سو کر نہ اٹھی تو بھگدڑ مچ گئی۔

اسے با قاعدہ ہلا ہلا کر جگایا۔ وہ بمشکل اٹھی مگر بیٹھ کر بھی جھوم رہی تھی۔

کیا ہوا تابندہ؟ احسن کے رشتے کی پھوپھی نے اس کا رخسار تھپتھپایا۔ بیٹی کیا بات ہے؟

اس نے پلکیں اٹھا کر جم غفیر کی طرف دیکھا۔

کچھ نہیں، بس نیند آ رہی ہے ایسے ہی۔ وہ آہستگی سے بولی۔

لو احسن بھائی تو اچھے خاصے کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ تم، یہ تمہارے حصے میں اتنی نیند کہاں سے آ گئی۔ بلو شرارت سے ہنسیں۔

ارے وہ مرد ہیں، ان کے اعصاب مصبوط ہیں۔ ان کی کزن ہنسیں۔

یہی تو حیرانی کا مقام ہے، ان کے اعصاب تو غیر معمولی طور پر کمزور ہیں۔ ذرا سی بات برداشت نہیں ہوتی۔

تب تابندہ کو احساس ہوا وہ اس طرح جھوم جھوم کر ان لوگوں کو پریشانی میں مبتلا کر رہی ہے۔ تب اس نے خود کو سنبھالا۔

بلو، شالی اس کے ہمراہ ناشتہ کر رہی تھیں۔

بھئی تمہارے شوہر تو آٹھ بجے ناشتا کرنے کے عادی ہیں۔ یہ ہم ہی جاں نثار ہیں جو تمہارے اٹھنے کا انتظار کر رہے تھے۔

ارے شرماؤ نہیں، یہ وہی گھر ہے جہاں تم بے تکلفی سے آتی جاتی رہی ہو۔ ٹھیک سے کھاؤ، لو یہ مونگ کی دال کا حلوہ ہوا امی نے خاص طور پر دلہن کے لیے بنایا ہے۔

دل کو تم سے بڑی عقیدت تھی
آج حیران ہو گیا ہے دل

وہ ولیمے کے بعد گھر آئی ہوئی تھی۔ امی نے بتایا۔ احسن کا فون آیا ہوا ہے۔ وہ خوشگوار

دھڑکنوں پر قابو پاتی فون تک آئی۔

ہیلو

جی، میں تابندہ بول رہی ہوں۔

کیا حال ہیں جناب کے؟ ادھر سے شوخی سے پوچھا گیا۔

ٹھیک ہوں۔اس نے شرمگیں مسکراہٹ سے جواب دیا۔

صرف ٹھیک، اچھا سنو، ایک ضروری بات کرتی ہے تم سے۔

جی۔

سنو، تم اپنی امی کے ہاں ہی رہو۔

جی؟ کیا مطلب؟

پوری بات تو سنو۔ دراصل میں نے اپنا ٹرانسفر اسلام آباد کرالیا تھا میں یہاں رہنا نہیں چاہتا۔ میں اب یہاں رہ بھی نہیں سکتا۔ کافی سامان آج میں اپنے دوست کے ہمراہ بھجوا رہا ہوں۔ پرسوں ہم لوگ یعنی میں اور تم روانہ ہو جائیں گے۔ تم گھر میں بتا دو۔

لیکن اس طرح اچانک؟ اس نے کچھ پوچھنا چاہا۔

اچانک نہیں ہے زندگی۔ سب کچھ پروگرام کے تحت ہے۔ بس تم وہیں رہنا۔

نہیں آپ برا نہ مانیں تو ایک بات پوچھوں؟ اس نے جھجکتے ہو کہا۔

ضرور۔

کیا گھر والوں سے ناراضگی۔۔۔؟ وہ بات پوری نہ کرسکی۔

تاب تم میری بیوی ہو، شریک حیات ہو۔ تم سے کچھ چھپ سکتا ہے بھلا۔ ہاں تاب اس گھر سے میری ناراضگی برسوں کی نہیں بلکہ پیدائشی ہے۔ صرف تمہیں حاصل کرنے کے لیے میں نے اپنی طبیعت کے خلاف بہت کچھ سہا ہے۔ میں فلائیٹ سے ایک گھنٹہ پہلے آ کر تمہیں لے جاؤں گا۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔

وہ ریسیور تھامے ساکت کھڑی رہ گئی۔ اس کی شادی روایتی شادی تھی۔ کیا اس اقدام سے لوگ باتیں نہ بنائیں گے اور پھر سب سے بڑھ کر میرے گھر والے کیا سوچیں گے۔ میں آپ کو کیسے کہوں احسن بعض اوقات اپنی ذات کو الگ رکھ کر بھی کچھ کرنا پڑتا ہے،

امی نے اس کی توقع کے عین مطابق ردعمل کا اظہار کیا۔ دماغ تو ٹھیک ہے احسن کا۔ آخر وہ تمہارا سسرال ہے۔ رشتہ مانگنے آ۔ بیاہنے آئے۔ یہ بڑی غلط حرکت ہے۔ تم مل کر جانا اوران لوگوں نے یہ ٹرانسفر وغیرہ کی بات تو بتائی نہیں تھی۔

امی ٹرانسفر وغیرہ تو ملازمت کے دوران ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اس نیبات رکھنا چاہی۔

انہوں نے بیٹی کی صورت دیکھی اور انہوں نے جان لیا۔ احسن کے خلاف کوئی بات کر کے وہ اپنی بات ہی کھوئیں گی۔

مگر جب وہ اسے لینے آیا تو امی نے منا ہی لیا کہ وہ اسے سب سے ملا کر لے جائے۔ خدا معلوم کس طرح راضی ہو گیا۔ وہ بھی چچا کی وجہ سے۔

چچی جان نے بڑی خندہ پیشانی سے دلہن کے سلام کا جواب دیا۔ چچا گھر پر نہیں تھے۔ وہ شالی اور چچی سے مل کر آ گئے۔ محض دس منٹ کے لیے۔ اس کا دل تو بہت برا ہو رہا تھا۔ سب سے جدا ہوتے ہو، مگر وہ حقیقت کو تسلیم کر چکی تھی کہ اب تو جہاں وہ رہے گا اسے بھی وہیں رہنا ہو گا۔

اسلام آباد آ کر شدت سے تنہائی کا احساس ہونے لگا۔ وہ تو صبح آٹھ بجے آفس چلا جاتا تھا۔ وہ شروع میں تو بہت مصروف رہی۔

اس روز وہ کچن میں تھی۔ احسن نے چا کے لیے کہا تھا۔ وہ چا بنا کر خواب گاہ میں آئی تو وہ بڑی تندہی سے کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ اس کی آمد پر بھی سر نہیں اٹھایا۔ اس نے دروازہ کھولا ابھی تک کسی ملازم کا بندوبست نہیں ہو سکا تھا۔ اسے تمام کام خود ہی کرنا پڑ رہے تھے۔ پتا چلا احسن کے کولیگز آئے ہیں۔ وہ اسے بتانے دوبارہ خواب گاہ میں آئی۔ ایسا معلوم ہوا گویا اسے اس وقت آنے والوں کی مداخلت ناگوار گزری ہو۔ ناچار اٹھ کر باہر چلا گیا۔ اس کا خیال تھا وہ آفس ورک کر رہا تھا وہ کاغذ ترتیب سے رکھنے لگی تو رائٹنگ پیڈ پر نگاہ پڑتے ہی چونک گی۔ وہ خط میں چچی جان سے مخاطب تھا۔

چچی جان محترمہ

السلام علیکم

آج ہمیں اسلام آباد آ ہو پورا ایک ہفتہ ہو گیا۔ تابندہ ٹھیک ہے سارا دن کسی

نہ کسی کام میں لگی رہتی ہے۔ میں اپنے انتخاب پر خوش ہوں۔ میرا بیحد خیال رکھتی ہے۔ آج کل تو گھر سجانے میں لگی ہوئی ہے، بہت خوبصورت گھر سیٹ کیا ہے، آپ حیران ہوتی ہوں گی۔ میں اس طرح اچانک اسلام آباد کیوں چلا آیا ہوں۔ چچی جان میری طبیعت بہت خوددار ہے۔ اس سے قبل بھی آپ کا رویہ بیحد شاندار رہا، مگر آپ نے کبھی گھر چھوڑنے کے لئے نہیں کہا تھا۔ یاد کیجیے جب میں نے تابندہ سے متعلق آپ سے بات کی تھی، اس وقت آپ نے مجھے خدا کا واسطہ دے کر گھر چھوڑنے کا حکم دیا تھا۔ یقین کیجیے، ہر چیز پر لعنت بھیج کر اسی وقت نکل جانے کے جی چاہا تھا مگر صرف تابندہ کو حاصل کرنے کے لیے اس روز میں نے خود پر جبر کیا تھا۔ اگر اس روز میں گھر چھوڑ دیتا تو شاید تاحیات تابندہ کو حاصل نہ کر پاتا۔ میں نے زندگی میں کبھی کسی چیز کی آرزو نہیں کی تھی۔ ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ ہاں مگر ایک ارزو تابندہ کی تھی۔ میں اپنے رب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ویسے مجھے چچا کی پرخلوص کوشش کے بارے میں شالی نے بتایا تھا۔ انہیں میرا اسلام و پیار۔ چچا جان کو کسی روز فون کر لوں گا۔ انہیں تھی سلام دیجیے گا۔

آپ کا نیم پاگل

احسن معید

دوسرا خط کسی دوست کے نام تھا۔اس نے جلدی سے سب کاغذ تکیے پر رکھ دیے اور باہر آ گئی۔گویا اس نے صحیح سمجھا تھا۔احسن نے ہی اس کے لیے کہا تھا۔پہلے یہ گمان بھی ہوتا تھا کہ شاید رشید چچا نے اپنے طور پر خوشی سے اس کا انگ انگ گنگنا اٹھا،کوئی اس عورت کی خوشی کیا پوچھے جس کا شوہر اس کا جم جم دیوانہ ہو،مگر اسے خط میں ایک بات سخت بری لگی تھی،آپ کا نیم پاگل ہونہہ پاگل ہوں ان کے دشمن۔وہ سرشاری اپنے کاموں میں مصروف ہوگئی تھی۔

کبھی حیات کی ضامن کبھی وسیلۂ مرگ
نگاہ دوست ترا کوئی اعتبار نہیں

اس روز وہ بے انتہا تھک گئی تھی۔کچن بند کر کے وہ خواب گاہ میں آئی۔رات کا کھانا وہ آٹھ بجے تک کھا لیتے تھے۔وہ کمرے میں آئی تو احسن کچھ پڑھ رہا تھا۔

احسن مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔آپ ٹیبل لیمپ جلا لیں میں ٹیوب بند کر رہی ہوں۔

اتنی جلدی بھئی۔

بس بہت تھک گئی ہوں۔آج تو بہت نیند آ رہی ہے۔وہ لباس تبدیل کرنے باتھ روم میں جاتی ہوئی گویا ہوئی۔

مگر کل تو جمعہ ہے۔

مجھے تو پتا ہے،مگر نیند کو نہیں معلوم۔وہ تھکن کی وجہ سے اس کی خوبصورت بات سے حظ نہ اٹھا سکی۔بڑا سرد سا جواب دیا۔

اور آسمانی فرل لگی نائٹی میں ملبوس بستر پر گر گئی۔

وہ دوبارہ کتاب میں گم ہو چکا تھا۔

گہری نیند میں اسے لگا جیسے اس کے بائیں بازو میں انگارہ اتر گیا ہو۔اس کی نیند یک دم ٹوٹ گئی۔

اوہ میرے خدا وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔

احسن نے ایک دم کتاب الٹ دی۔اس کی انگلیوں میں سلگتا ہوا سگریٹ تھا۔

کیا ہوا؟

آپ کو پتا نہیں کیا ہوا؟وہ جلے ہوئے حصے کو انگلیوں میں دبا کر رو پڑی۔

ارے میں کتاب میں اتنا گم تھا کہ۔۔۔

بس جھوٹ نہ بولیں۔وہ روتے ہو بولی۔

یقین کرو،مجھے پتا۔۔

رہنے دیں،اتنی دور تھی میں آپ سے۔اس کے آنسو سلسلہ وار بہہ رہے تھے۔

تمہیں یقین نہیں آ گا،وہ ٹیوب کہاں ہے۔

میں خود لگا لوں گی۔وہ خفگی سے بولی اور اٹھ کر لائیٹ جلا کر ٹیوب نکالنے لگی۔ٹیوب لگا کر آنسو پونچھے۔وہ اٹھ کر اس کے نزدیک چلا آیا۔

کوئی معذرت بھی نہیں سنو گی؟

اس نے آنکھیں رگڑ کے خفگی سے اسے دیکھا۔سفید شلوار قمیص میں ملبوس اس کا مضبوط سراپا بیحد شان دار نظر آ رہا تھا۔گھنی مونچھوں تلے اس کے لب معذرتی انداز میں مسکرا رہے تھے،مگر وہ منہ موڑ کر بیڈ پر چلی آئی اور چادر تان کل یٹ گئی۔جلن کی شدت کی وجہ سے نیند اڑ گئی تھی۔خواہ مخواہ رونا آ رہا تھا۔

ٹیوب بند کرنے کے لئے احسن نے بٹن دبایا۔اس نے آواز سنی۔اس کے بعد وہ بیڈ پر واپس آیا۔لیمپ بند کیا اور شاید فوراً ہی سو گیا تھا۔

کچھ اس ادا سے یار نے پوچھا مرا مزاج
کہنا پڑا کہ شکر ہے پروردگا کا

وہ اس سے پورے دو دن خفا رہی۔اس کے منانے کی ہر کوشش ناکام ہوگئی مگر تیسرے دن احسن کو فلو ہو گیا۔تب اسے دوستی کرنی پڑی اور کون تھا گھر میں جو اس کی دیکھ بھال کرتا۔

تاب اتنی شدت سے خفا نہ ہوا کرو۔وہ اس کے لیے کافی لائی تو وہ بہت یاسیت سے گویا ہوا۔

آپ نے میرا بازو دو مرتبہ جلایا ہے۔پتا ہے کتنی جلن ہوتی ہے۔وہ شاکی لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

تب اس نے اس کی آستین اوپر کی دودھیا بازو پر ننھا سا سرخ نشان تھا۔

کیا واقعی تم سمجھ رہی ہو کہ میں نے جان بوجھ کر تمہارا بازو جلایا ہے؟

تو اور کیا۔

یقین کرو بیخبری میں۔

یہ خوب بیخبری ہے۔کسی کی جان پر بن ج بلا سے۔اس نے ناز سے کہا،

اس دن بھی جلا دیا تھا۔وہ مزید گویا ہوئی۔

کس دن؟اس نے مسکرا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

مجھے نہیں پتا۔وہ شرما گئی اور بہانے سے کمرے سے نکل گئی۔

کچھ خیال نہیں رہتا کچھ دھیان نہیں رہتا
انسان محبت میں انسان نہیں رہتا

تابندہ کئی روز سے دیکھ رہی تھی۔جب وہ ایکسرسائز کرنے لان میں جاتی تو ایک خاتون پڑوس کے لان میں کھڑی ہو کر پرشوق نگاہوں سے دیکھا کرتیں۔سے وہ بہت اچھی لگیں۔اس دن وہ ایکسرسائز کا پروگرام ملتوی کر کے باڑ کے پاس جا کھڑی ہوئی اور خوبصورت انداز میں سلام کیا۔

وعلیکم السلام۔آپ نئے لوگ آئے ہیں غالبا۔ارے یہیں کھڑے ہو کر آپ سے باتیں کرنے لگی۔آیئے اندر آیئے نا۔تب وہ ان کے پیچھے ہو لی۔

خاتون خانہ اسے ڈرائنگ روم میں لے آئیں۔

آیئے تشریف رکھیے۔میں اپنے میاں سے کہہ رہی تھی کہ ہمارے پڑوس میں ایک بہت

کیوٹ سی لڑکی آئی ہے۔خاتون نے پر اشتیاق نظریں اس پر دوڑائیں۔

وہ شرماسی گئی۔

کہاں سے آئے ہیں آپ لوگ؟

کراچی سے۔اس نے آہستگی سے کہا۔

کون کون ہے آپ کی فیملی میں ۔میرا مطلب ہے بہن بھائی، والدین یعنی ہمارے پڑوس میں رہنے والوں کی تعداد۔وہ ہنسیں۔

جی،فی الوقت تو صرف میں اور میرے میاں ہیں یہاں۔اس نے بتایا۔

ارے ماشااللہ شادی شدہ ہو، بالکل نہیں لگتیں۔کب ہوئی شادی؟

گوشتہ ماہ کی تین تاریخ کو۔

ارے بالکل نئی دلہن ہو۔کیا سسرال والوں نے آتے ہی نکال دیا تھا؟

نہیں،بس میرے میاں کا یہاں ٹرانسفر ہو گیا۔

ارے بھئی، بالکل نئی دلہن ہو۔کچھ سج بن کر رہا کرو۔اتنی سادہ تو غیر شادی شدہ لڑکیاں بھی نہیں رہتیں۔تمہارے میاں بھی نہیں کہتے۔خیر انہیں آج کل ہوش کہاں ہوگا۔خاتون بیحد بیتکلف تھیں۔اسے اچھی لگیں۔

لو بھلا ہمارا یہ حال ہو گیا تمہیں دیکھ کر نہ تمہارا نام پوچھا نہ تمہارے میاں کا نہ اپنا بتایا نہ اپنے میاں کا نہ بچوں کا۔

جی میرا نام تابندہ ہے۔میرے سوہر کا نام احسن معید۔

اور بھئی تابندہ مجھے نادرہ کہتے ہیں۔میرے شوہر ڈاکٹر معین صدیقی سائیکالوجسٹ بھی ہیں۔تین بچے ہیں میرے۔ایک بیٹی روبینہ، و بیٹے عاطف اور واصف۔دیکھو بھئی، اب ہماری دوستی پکی ہے۔بلا جھجک بتاؤ۔چا،کافی کا کولڈ ڈرنک۔

انہوں نے جھٹ بات کا پہلو بدل دیا۔

جو آپ کی مرضی۔اسے کہنا پڑا۔

وہ جوگرے کرولا میں روزانہ آٹھ بجے نکلتے ہیں اگر وہی تمہارے شوہر ہیں تو بلاشبہ مور اور مورنی کی جوڑی ہے،چشم بد دور۔وہ پہلی ملاقات ہی میں اتنی بیتکلف اور محبت سے بول رہی تھیں کہ تابندہ متاثر ہو بنا نہ رہ سکی اور اس کی طرف سے خوبصورت تاثر لیے ہو چلی آئی بلکہ بہت مسرور تھی کہ وقت تو خوشگوار گزرے گا،ان کی رفاقت میں۔

شام کو احسن آتو سب سے پہلی خبر اس نے یہی سنائی۔

اگر تمہارے لیے یہ بات خوشی کی ہے تو بھلا اس سے بڑھ کر میرے لیے کیا خوشی ہو سکتی ہے۔اس نے تابندہ کے خوبصورت چہرے پر والہانہ نظر ڈال کر خوش دلی سے کہا۔

اچھا سنیں، آج ہمیں کہیں لے کر چلیں۔وہ ناز سے بولی۔

کہاں؟وہ جاتے جاتے پلٹ آیا۔

کہیں بھی،اب میں یہاں کی جگہوں سے تو واقف نہیں ہوں نا۔بس دل چاہ رہا ہے کہیں

گھومنے پھرنے کا۔

اپنی پڑوسن کے ہمراہ چلی جانا نا۔اس نے چھیڑا۔

جی نہیں ،اگر مجھے جانا ہوتا کسی کے بھی ساتھ تو اتنے دن ہوگئے ہیں یہاں آ ہو،میں آپ کے ساتھ گھومنا چاہتی تھی یہاں۔اس نے خفگی سے کہا۔آپ کے ساتھ۔

طپاگل کردو گی بھئی مجھے،اتنی محبت نہ جتای کرو۔وہ اس کے نزدیک آ کر بڑے وارفتہ انداز میں بولا۔بھئی مجھے خود احساس ہے،فکر نہ کرو۔خوب گھماؤں گا۔احسن نے اس کا ہتھ تھپتھپایا۔

اس نے بھی اس کی مجبوری جان کر ضد نہ کی۔

اور ہاں تابندہ وہ جو اوپر کمرہ ہے نا،میری تمام پینٹنگ وہاں سیٹ کر دینا۔ایزل وغیرہ بھی تمام کلرز ،برش وغیرہ۔آئی ول بی تھینک فل ٹو یو مائی سویٹی۔کبھی کبھار اچانک آمد ہوتی ہے۔میں نے ایک دو افراد سے ملازم یا ملازمہ کے لیے کہہ رکھا ہے۔تم بھی اپنی نئی پڑوسن سے کہہ دینا۔ہوسکتا ہے ان کے ذریعے ہی کام بن جا۔تمہیں بھی آرام مل جا گا۔

وہ جلدی سے کھانا کھا کر دوبارہ چلا گیا۔وہ پھر بور ہونے لگی۔وقت گزارنے کے لیے بڑے سے صندوق سے اس کی پینٹنگز نکال کر صاف کرنے لگی۔بڑی خوبصورت تصاویر تھیں جو اس نے پہلے بھی دیکھی ہوئی تھیں۔اس دلہن کی تصویر بھی تھی جس کے بارے میں احسن نے انکشاف کیا تھا کہ اس کا بایاں رخسار سگریٹ سے جھلسا ہوا ہے۔تصویر پر نظر پڑتے ہی اس دن

کے تمام واقعات اس کی نظروں کے سامنے گردان کرنے لگے۔اسے ایک دم سے خوف محسوس ہونے لگا۔دل میں محبت کا ہر تاثر ختم ہو کر خوف و ڈر قدم جمانے لگا۔بازو پر لگے ہو سگریٹ کے داغ از سر نو دہکنے لگے۔اسے ایسا محسوس ہوا گویا اس کا جسم سگریٹ سے داغ دیا گیا ہو۔وجود کا ہر حصہ اسے گھر کے در و دیوار سے خوف محسوس ہونے لگا۔وہ باہر گیٹ کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ایک دم کراچی شدت سے یاد آنے لگا۔ایک ایک کر کے تمام لوگ ان کے ساتھ ،ان کے ساتھ گوارے ہو لمحے،ماہ و سال۔خواہ مخواہ ہی آنسو بہنے لگے۔وہ جانے کب تک اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔کار کی ہیڈ لائیٹس اس کے چہرے پر پڑیں۔احسن نے کار وہیں روک لی اور حیران و پریشان سا گاڑی سے اتر آیا تھا۔

تاب جان یہاں کیوں بیٹھ گئیں آ کر؟وہ پاس آ کر اسے شانوں سے تھام کر اٹھاتے ہو حیرانی سے بولا۔وہ بے آواز رو پڑی۔وہ بے طرح پریشان ہوا تھا۔

کیوں؟کیا ہوا ہے؟خدا را بتاؤ نا۔وہ اسے اندر لے آیا۔

وہ بری طرح سسک پڑی۔

احسن آج آپ ایک وعدہ کریں۔ورنہ میں اندر نہیں جاؤں گی ،یہیں کھڑی رہوں گی۔وہ بسوری۔

آپ آج سے کبھی سگریٹ نہیں پیئیں گے۔وہ برابر رو رہی تھی۔

کیوں کیا محکمہ صحت والے آ تھے۔اس نے مذاق کیا۔

مذاق نہیں کریں، وعدہ کریں۔ وہ خفگی سے گویا ہوئی۔

دیکھو پچھلے ماہ کی تین تاریخ سے اب تک تم سے اتنے عہد و پیمان کر چکا ہوں کہ کسی جمہوری صدر نے سالوں میں نہیں کیے ہوں گے۔ ابھی بھی وعدہ؟

احسن میں سیریس ہوں، ورنہ مجھے کراچی بھیج دیں۔ مجھے آپ سے، میرا مطلب ہے آپ کی سگریٹ سے ڈر لگنے لگا ہے۔

تاب وہ اسے اندر لے جاتے ہوئے گویا ہوا۔ تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ بابا میں نے دانستہ تمہارا بازو نہیں جلایا۔ خدارا معاف کر دو یار۔ اب دیکھو نا سگریٹ ایک دم تو نہیں چھوڑی جا سکتی، البتہ کم ضرور کی جا سکتی ہے۔ چلو یہ وعدہ کہ گھر میں زیادہ نہیں پیوں گا، اتنی رعایت تو دو گی نا۔

☆

پرسش غم رہنے دیجیے
یہ تماشا ہے میرا دیکھا ہوا

آج اس پر ایک اور حیرت کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔ وہ کچن میں جلے ہوئے کاغذ دیکھا کرتی تھی۔ اس کا خیال تھا احسن سگریٹ جلانے کے لیے کاغذ وغیرہ جلا لیتے ہیں لیکن آج چھٹی کے روز وہ

تولیے سے ہاتھ پوں چھتی تیزی سے کچن میں آئی تھی اور ٹھٹک کر رہ گئی تھی۔

احسن کاغذ کی پتی بنائے جلا کر بہت غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ پورا کاغذ جل گیا۔ اس نے دوسرا ٹکڑا اٹھا کر موڑا اور آگ کے نزدیک لے گیا پھر جلتے ہوئے کاغذ کا بغور دیکھنے لگا۔ یہ ٹکڑا ابھی بھڑ بھڑ جل کر ختم ہو گیا۔ وہ تیزی سے احسن کے سامنے آ گئی۔

یہ آپ کاغذ کیوں جلا رہے ہیں؟ اس نے تعجب سے احسن کو دیکھا۔

احسن نے نظریں اٹھا کر تابندہ کو دیکھا۔ تابندہ کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی۔ جانے کیا تھا اس کی آنکھوں میں۔

کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ وہ خوف زدہ انداز میں بولی۔

وہ جیسے ایک دم ہوش میں آ گیا، ہنس کر بولا۔ ارے ایسے ہی فالتو کھڑا تھا، بس یونہی غیر ارادی سی حرکت تھی۔۔

مگر تابندہ کے ذہن میں ایک گرہ سی پڑ گئی۔ اسی دن دوپہر کو جب وہ آلو چھیل رہی تھی، احسن پاس آ کر بیٹھ گیا۔ وہ آلو چھیل کر مٹر چھیلنے لگی۔ احسن نے ایک آلو اٹھایا اور چاقو سے گودنا شروع کر دیا۔ آلو کا کچومر نکال دیا۔

اللہ، یہ آپ نے کیا کیا؟ اس نے شاکی انداز میں کہہ کر چاقو اس کے ہاتھ سے لے لیا اس سے پیش تر کہ وہ مزید غور و خوض کرتی، نادرہ بھابھی اپنے شوہر کے ہمراہ آ گئیں۔ گھر میں رونق سی ہو گئی۔

نادرہ کے شوہر بھی بہت دلچسپ انسان تھے۔احسن بھی ان سے مل کر بہت خوش ہوا۔وہ رات کے کھانے پر دونوں کو بلانے آئے تھے۔انہوں نے بہت انکار کیا مگر ان کے سامنے ایک نہ چلی۔ناچار انہوں نے دعوت قبول کر لی۔

دعوت بہت خوشگوار رہی۔اس کا ذہن بھی ہلکا پھلکا ہو گیا۔بہت خوش خوش نظر آ رہی تھی۔

نادرہ کے بچے بھی بہت شرارتی تھے۔ان کی باتوں میں وقت کا پتا ہی نہ چلا۔تقریباً رات کے ایک بجے وہ گھر واپس آئے تھے۔

زندگی بڑی تیزی سے گزرنے لگی تھی۔اسے یہاں آئے تیسرا مہینہ تھا۔اس کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی۔نادرہ بھابھی اس کا دل بہلایا کرتیں۔دونوں گھروں میں بے حد بے تکلفی ہو گئی تھی۔اس نے احسن کو کبھی دوستوں میں خوش گپیاں لگاتے نہیں دیکھا تھا مگر معین بھائی کی شفقت کے سامنے وہ بھی بے بس تھا۔

ان تین مہینوں میں اس نے احسن کے ہزاروں رنگ دیکھے تھے۔محبت کے رنگ، سرد مہری کے رنگ، خفگی کے رنگ، خوشی کے رنگ، دکھوں کے رنگ۔اس نے پل پل تابندہ کو حیران کیا تھا لیکن اس کی چاہت کا رنگ ہر رنگ پر حاوی تھا۔اس لیے اس نے بھی بڑے پیار سے سمجھوتے کر لیے تھے۔

اس نے اس کے جنون کے رنگ شادی سے پہلے بھی دیکھے تھے مگر اس کی اس بات نے اس کے دل کو شکست دے دی تھی۔اتنے لوگوں کے ہوتے ہوئے صرف وہی اس کے خیالوں

میں آ بسا تھا۔شادی کے بعد معلوم ہوا کہ اسے محبت کرنا آتی ہے اور تابندہ کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی کہ وہ اس کائنات کی محبت پرست عورت تھی۔ایک روز اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھ بھی لیا تھا۔

احسن چچی جان، بلو شالی کے ساتھ آپ کے انداز کچھ اور ہوتے تھے بلکہ ہر ملنے والے سے۔بہت تنہائی پسند تھے لیکن یہاں تو آپ بہت بدلے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔آپ تو بہت محبت کرنے والے ہیں۔

ارے کہاں محبت کرنے والا ہوں۔قرض چکاتا ہوں تمہاری محبت کے۔اس نے گویا انکساری برتی۔

اور وہ بڑے ناز سے مسکرا دی۔

☆

غم موجود ہے آنسو بھی ہیں کھا تو رہا ہوں پی تو رہا ہوں
جینا اور کسے کہتے ہیں اچھا خاصا جی تو رہا ہوں

اس کی طبیعت بہت گری گری رہنے لگی تھی۔وہ خاموشی سے لیٹی ہوئی تھی۔

تاب دیکھو میں اوپر ہوں۔کام کر رہا ہوں۔کوئی آئے تو مجھے ڈسٹرب نہ کرنا اور ایک

کپ اچھی سی کافی بنالانا۔

اچھا۔اس نے کاہلی سے جواب دیا۔وہ اسی طرح پہلو کے بل لیٹی رہی، پھر ایک کتاب نکال کر پڑھنے لگی۔کتاب پڑھتے پڑھتے اسے کافی دیر ہوگئی تو وہ کافی بنانے کے لیے اٹھ گئی اور دوپٹہ اوڑھتے ہوئے کچن میں چلی آئی۔کافی بنائی، بڑے پیار سے سجائی اور مسکراتی ہوئی اوپر آئی۔انگوٹھی سے دروازہ بجایا۔نچلا ہونٹ دبا کر آہستہ سے کہا۔

احسن

ہوں، آجاؤ۔اس کی مصروف سی آواز آئی۔

وہ اندر چلی آئی۔وہ بڑی تیزی سے کینوس پر برش چلا رہا تھا۔بے حد خوبصورت پینٹنگ تھی۔

احسن آپ کی پینٹنگز مکمل ہوجائیں تو دیکھیے گا ایگزیبیشن کا اہتمام ضرور کرواؤں گی، کراچی میں۔

ارے نہیں بھئی، یہ تو یونہی فضول سا شوق ہے۔بس دل کا غبار نکالنے کا بہانہ۔اس کے ہونٹوں میں سگریٹ دبا ہوا تھا۔شب خوابی کے ریشمی قیمتی لباس میں وہ مصروف مصروف سا بہت اچھا لگ رہا تھا۔اس کا ہیئر اسٹائل بہت نفیس تھا۔شادی سے پہلے بھی وہ اس کے ہیئر اسٹائل سے متاثر تھی۔اب تو اس نے اپنی مومی انگلیوں سے کئی بار اس کا ہیئر اسٹائل بگاڑ ڈالا تھا۔کبھی پیار سے، کبھی خفگی سے، کبھی شرارت سے۔اس نے نظریں ہٹادیں اور کافی کا مگ تپائی

پر رکھ کر وہ تصاویر ٹھیک کرنے لگی۔

معاً وہ خوف زدہ سی ہوگئی۔جھلسے ہوئے رخسار والی دلہن کی تصویر بڑے اہتمام سے سجی ہوئی تھی۔اس کے برابر میں ایک اور تصویر تھی۔ایک آدمی سڑک پر گرا ہوا تھا۔تمام سڑک خون سے بھری ہوئی تھی۔اس کے برابر میں ایک آدمی کی تصویر تھی جو درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔اس کے سینے میں ایک تیر تراز و تھا اور اس مقام سے خون ٹپک ٹپک کر پاؤں بھگو رہا تھا۔وہ ایک دم احسن کی طرف پلٹ گئی۔وہ کافی پیتے ہوئے بڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔اسے پلٹتے دیکھ کر مسکرایا۔

تاب

جی۔اس نے احسن کو دیکھا۔اس کے ہونٹوں پر بڑی بے رحم سی مسکراہٹ تھی۔

تاب زخم بازو پر ہوں تو چھپ جاتے ہیں۔پتا ہی نہیں چلتا اور اگر رخسار پر ہوں تو صاف نظر آجاتے ہیں۔تاب ادھر میرے پاس آؤ۔

تابندہ کو ایک دم خوف محسوس ہونے لگا۔وہ پیچھے ہٹنے لگی۔

زندگی یہاں آؤ۔سچ ایک بہت ضروری بات ہے۔نہیں سنو گی؟ احسن کا لہجہ بدل گیا تھا۔وہ تابندہ کینز دیک آ گیا۔تاب تم میری شریک حیات ہو۔تمہارا دعوٰی ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔تاب مجھے پاگل ہونے سے بچالو۔

جی۔وہ کانپ کر بولی۔

تاب مجھے پاگل ہونے سے بچالو۔ دیکھو صرف ایک داغ۔ تمہارے رخسار پر۔

احسن وہ خوف سے مرنے کو ہوگئی۔

تاب صرف ایک داغ، ایک داغ، احسان کردو مجھ پر۔

نہیں احسن نہیں، خدارا کیا ہوگیا ہے آپ کو۔ وہ دہشت زدہ ہوکر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

احسن مجھ پر تیل چھڑک دیجئے۔ میرے وجود کو مکمل جھلسا دیجئے۔ احسن میں مرجاؤں گی۔ آپ کو کیا ہوگیا۔ وہ بے بسی سے چیخ چیخ کر رونے لگی۔

تاب میں پاگل ہوجاؤں گا۔ زندگی مجھے اذیت سے نکال دو۔ میرے ذہن سے یہ سب انگارے جھاڑ دو۔ اس کی آواز بدل گئی تھی، لہجہ بدل گیا تھا۔

تاب اس نے اس کی ٹھوڑی انگلیوں سے چھو کر اس کا چہرہ اونچا کیا۔ وہ بے بسی سے پھڑ پھڑانے لگی۔ پھر اس کے حلق سے ایک کرب ناک چیخ بلند ہوئی تھی۔

احسن نے جھک کر منہ میں دبی ہوئی سگریٹ اس کے رخسار پر ٹکا دی تھی۔ وہ گرتی پڑتی زینے سے اتر کر ڈرائنگ روم میں چلی آئی اور قالین پر گر گئی۔ ہچکیوں سے اس کا پورا وجود ہل رہا تھا۔ رو رو کر وہ پاگل ہو رہی تھی۔ ہر مرہم، ہر دوا سے بے نیاز وہ بس روئے جا رہی تھی۔ اتنا روئی کہ ساری عمر میں کبھی نہ روئی تھی۔ روتے روتے جانے کب آنکھ لگ گئی تھی۔ جب اٹھی تو سارے گھر پر دھوپ پھیل چکی تھی۔ احسن جا چکا تھا۔

اس نے آئینہ دیکھا۔ رو رو کر آنکھیں پھوڑا ہو رہی تھیں۔ ایک چھالا اس کے رخسار پر ابھر آیا۔ شکل سے بدشکل ہو رہی تھی۔ اپنی بے بسی کا احساس کر کے اس کی آنکھیں پھر بھر آئیں۔

احسن آپ کو کیا ہوگیا تھا۔ میں آپ سے کبھی بات نہیں کروں گی۔ میں آج ہی کراچی چلی جاؤں گی۔

تابندہ تابندہ..... ارے بھئی کہاں ہو۔ چلو بھئی گیارہ بج رہے ہیں۔ میں بازار جا رہی ہوں۔ تمہارا چیک اپ بھی کروادوں گی ڈاکٹر خالدہ سے۔ نادرہ بھابھی اس تک پہنچتے پہنچتے اپنی بات مکمل کر چکی تھیں۔ وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی۔

اور ہاں ایک خوشخبری ہے تمہارے لیے۔ ایک ملازمہ مل گئی ہے۔ بہت اچھی،

ار..... رے..... یہ..... یہ تمہارے گال پر کیا ہوا؟ آدھی بات ان کے منہ میں ہی رہ گئی۔

تابندہ نے پلکیں جھکا لیں۔ ایک ہمدرد کو سامنے پا کر اس سے مزید ضبط نہ ہوا۔ وہ ان کے سینے سے ٹک کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

نادرہ بھابھی کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ارے تابی، تابندہ، میری بہن کیا ہوا؟

بھابھی میں جارہی ہوں کراچی۔ احسن کی چچی ٹھیک کہتی تھیں۔ اگر میں کچھ دن اور رہی نا تو اذیت ناک موت مرجاؤں گی۔

ارے، خدا نہ کرے۔ وہ مزید پریشان ہوگئیں۔ اسے بٹھایا، پانی پلایا۔

بات کیا ہے؟ کچھ بتاؤ تو سہی۔

تب ہی اس نے انہیں سب کچھ بتا دیا۔ بازو کے نشانات بھی دکھائیے۔ بھابھی کا دل تڑپ کر رہ گیا۔

کیا شروع سے ہی..... ان چیزوں کا، باتوں کا اظہار نہیں ہوا تھا جو تمہارے والدین نے.....

نہیں بھابھی ہم شروع سے ہی انہیں جانتے ہیں۔ بچپن میں تو سب ان کی باتوں کو ضد اور خودسری پر محمول کرتے تھے۔ ان کے والدین بھی نہیں ہیں۔ اپنے چچا کے پاس رہتے تھے۔ سب سمجھتے تھے شاید اسی وجہ سے، یعنی وہ احساس محرومی کا شکار ہیں۔ ان کی چچی کا روّیہ بھی ان کے ساتھ ٹھیک نہیں تھا۔

تابی ایک طرح سے ان کا روّیہ تمہارے ساتھ اشتعال اور اذیت پسندی کا مظہر ہے۔

میں معین سے بات کروں گی۔ انہوں نے بہت سے پیچیدہ کیس حل کیے ہیں۔

بے کار ہے بھابھی۔ احسن کبھی رضامند نہیں ہوں گے۔ وہ سمجھتے ہیں وہ بالکل نارمل ہیں۔ انہیں کوئی بیماری نہیں، کوئی احساس کمتری، برتری، محرومی نہیں۔

تم فکر نہ کرو، ہمت نہ ہارو۔ تم اس کی بیوی ہو اس کی بھلائی کے لیے آگے بڑھو۔ اچھا فکر نہ کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ارے اس دنیا میں جو نہ ہو کم ہے۔ اب گھبرانا مت۔ تو پھر چل

رہی ہو یا نہیں۔

نہیں بھابھی، میں اس حال اور اس حلیے میں کہیں جاتی اچھی لگوں گی؟

یہ بھی ٹھیک ہے۔ اگر تم نے بازار سے کچھ منگوانا ہو تو بتا دو۔ انہوں نے پوچھا۔

فی الوقت تو یاد نہیں آ رہا۔

اچھا پھر میں چلتی ہوں۔ خدا حافظ۔

خدا حافظ۔

☆

قلزم ہستی سے ابھرا ہے مانندِ حیات
اس زیاں خانے میں ترا امتحان ہے زندگی

نادرہ نے اپنے شوہر کو بہت سراسیمگی اور عجلت میں تمام بات بتائی تھی۔

سچ معین میرا تو شاپنگ میں دل ہی نہیں لگا۔ اتنی پیاری، نازک سی لڑکی، اس پر کم عمر اور ناتجربہ کار ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو، خدانخواستہ۔

اتنے دن ہو گئے تمہاری دوستی کو، بتا آج رہی ہو۔

بھئی مجھے کیا پتا تھا۔ وہ تو بالکل نارمل نظر آتے ہیں، دیکھا نہیں آپ نے؟ بس ذرا کم

گو اور تنہائی پسند سے لگتے تھے۔ توبہ کتنی صابر لڑکی ہے۔ سچ کبھی بھی اس نے مجھے نہیں بتایا۔ بس آپ کسی طرح معلوم کریں احسن بھائی ایسا کیوں کرتے ہیں۔ سمجھانے کا معاملہ تو سمجھائیں۔ اگر علاج وغیرہ ضروری ہے تو وہ کریں، مگر معین مجھے تو یہ نفسیاتی کیس ہی لگتا ہے۔ اتنی چاہت سے بیاہ کر لائے ہیں، اتنی محبت کرتے ہیں۔ ویسے ہر طرح اس کا خیال رکھتے ہیں مگر دیکھیں تو سہی۔

فکر نہ کرو، میں دیکھوں گا۔ تابندہ کو بھی سمجھانا کہ وہ گھبرائے نہیں۔ انہوں نے مخصوص حلیم انداز میں کہا۔

پھر اسی شام کو وہ چلے آئے۔ وہ آفس سے آ چکا تھا۔ تابندہ کچن میں تھی۔ نادرہ اسے بھی وہاں لے گئیں۔ احسن اور معین باتوں میں مصروف تھے۔

معین بھائی تابندہ کی طرف دیکھ کر بولے۔

یار یہ کوئی پتھر کا مجسمہ نہیں۔ کبھی تم اپنے وجود کے کسی حصے پر سگریٹ داغ کر دیکھو۔

اس نے تابندہ کی طرف دیکھا۔

بھئی، انہیں نہ گھورو۔ انہوں نے شکایت نہیں کی ہے بلکہ ہم نے یہ جلا ہوا نشان دیکھ کر معلوم کیا تو انہیں بتانا پڑا۔ معین جلدی سے بولے۔

آپ لوگ بہت فارغ رہتے ہیں یا پھر دوسروں کے معاملات میں مداخلت کا کچھ زیادہ شوق ہے؟ وہ پل میں اجنبی بن گیا۔ عجیب توہین آمیز انداز تھا۔ نادرہ تو منہ کھول کر ہونق بن

گئیں مگر معین اسی طرح تحمل سے بیٹھے رہے۔

جو ایذائیں تم نے تابندہ کو دی ہیں تم جانتے ہو کہ یہ مجرمانہ فعل ہے۔ اس پر سزا بھی ہو سکتی ہے۔ وہ اس طرح بولے گویا احسن ننھا بچہ ہو۔

وہ ماتھے پر سینکڑوں بل ڈالے بہت ضبط سے بیٹھا رہا۔ تابندہ اس کے روّیے پر بہت خجالت محسوس کر رہی تھی۔

معین نے نادرہ اور تابندہ کو اشارہ کیا کہ وہ باہر چلی جائیں۔

وہ باہر برآمدے میں آ گئیں اور دوسری باتوں میں لگ گئیں مگر تابندہ کا ذہن خواب گاہ ہی میں اٹکا ہوا تھا جہاں معین اور احسن بیٹھے ہوئے تھے۔

ایک گھنٹے کے بعد وہ دونوں حیرت سے منہ کھول کر رہ گئیں جب معین احسن کا ہاتھ تھامے باہر آئے اور بولے۔

ذرا ہم ابھی آتے ہیں۔ آؤٹنگ پر جا رہے ہیں تاکہ احسن کا موڈ خوشگوار ہو جائے۔ اس کی بہت ضرورت ہے۔

ان دونوں کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ ان دونوں کو جاتا دیکھتی رہیں۔

بھابھی کچھ دیر بعد چلی گئی تھیں یہ کہہ کر کہ ملازمہ صبح پہنچ جائے گی۔

رات بارہ بجے کے قریب احسن نے دروازے پر دستک دی تھی۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ کھولا مگر بولی کچھ نہیں۔ وہ بھی خاموشی سے خواب گاہ میں چلا گیا۔

☆

کیوں دیکھ رہے ہو مری افسردہ نگاہی

صبح وہ کاموں میں لگی ہوئی تھی کہ نادرہ کی ملازمہ پیغام لے کر آ گئی کہ بی بی کہہ رہی ہیں سب کام چھوڑ کر آ جائیں۔ احسن تو آٹھ بجے سے پیشتر ہی جا چکے تھے۔ وہ دوپٹہ ٹھیک کر کے دروازہ لاک کر کے گھبرائی ہوئی نادرہ کے ہاں چلی آئی۔

خیریت بھابھی وہ حیرانی سے بولی۔

ہاں، میرے میاں نے یاد فرمایا ہے۔ وہ مسکرائیں۔

معین بھائی نے۔ وہ کیوں؟ وہ مزید حیرانی سے بولی۔

آؤ میرے ساتھ۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر اندر آ گئیں۔

السلام علیکم معین بھائی

وعلیکم السلام آؤ بھئی۔ دراصل میں نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ میں رات کو احسن کو لے کر اپنے کلینک چلا گیا تھا۔ وہ واقعی ذہنی مریض ہے۔

جی۔ تابندہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

گھبراؤ نہیں۔ ایک ماہ میں وہ بالکل نارمل ہو جائے گا۔ اسلام آباد میں اس کا آنا بہت مبارک ثابت ہوا ہے ورنہ شاید تمام زندگی یونہی گزر جاتی۔ لو دیکھو، سنو کیونکہ تمہیں بھی جاننا

چاہیئے کہ تم اس کی بیوی ہو۔ تحلیل نفسی کے دوران اس نے جو مجھے جواب دیے، سنو۔ انہوں نے ٹیپ ریکارڈر آن کیا۔

معین بھائی کی آواز ابھری۔ پھر احسن کی بھاری آواز، جیسے وہ بہت دور سے بول رہا ہو۔ تابندہ دم بخود بیٹھی سنتی رہی۔ معین کے ہر سوال کا جواب وہ بہت تفصیل سے دے رہا تھا۔ تابندہ نے ساکت ہو کر ایک ایک لفظ سنا۔

سوالات و جوابات کا سلسلہ ختم ہوا تو معین نے ٹیپ آف کر دیا۔

اس نے بتایا کہ اس کے والد سخت غصیلے انسان تھے۔ اس کی ماں کا تعلق ایک غریب خاندان سے تھا۔ اس کے والد اشتعال میں آ کر اکثر زدوکوب و مغلظات پر اتر آتے تھے۔

اس نے اپنی ماں کو بارہا تنہائیوں میں سسکتے دیکھا تھا۔ والد سب ہی کے لیے آمر تھے۔ ماں کی مظلومیت اور اس کی خاموشی کے سبب احسن کی تمام ہمدردیاں ماں کے ساتھ تھیں۔ بارہا احسن کو بھی معمولی شرارتوں پر سخت جسمانی ایذائیں دی جاتی تھیں۔

احسن نے بتایا کہ ایک رات وہ جب وہ جاگ رہا تھا، اس نے ماں کی چیخ سنی۔ وہ سمجھ گیا کہ آج پھر کسی معمولی بات پر ماں کو سزا مل رہی ہے۔ وہ بھاگ کر باہر آیا۔ اس نے خواب گاہ میں جھانکا۔ اس کے والد کے تشدد کے سبب اس کی ماں کے منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے ہاتھ میں پکڑی کسی چیز سے ماں کو زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔ جس وقت وہ زخمی ماں پر حملہ آور تھے اس وقت احسن کا جی چاہا تھا کہ وہ باپ کے ہاتھ سے وہ چیز، جو شاید

گلدان تھا، چھین لے اور باپ کو سخت سزا دے۔ ماں کو بچا لے، مگر باپ کے خوف سے وہ کچھ نہ کر سکا تھا۔ بس اس گھڑی کے بعد اس کے ذہن میں ایک گرہ سی پڑ گئی۔ پھر اس کا جی چاہنے لگا، وہ ایک ایک چیز کو توڑ ڈالے، آگ لگا دے۔

اور آج بھی وہ کبھی کبھی اس جنونیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اسے معلوم ہے، یہ درست نہیں ہے۔ اس کے باوجود وہ خود کو کنٹرول نہیں کر پاتا۔ دوسروں کو ایذائیں پہنچا کر اسے روحانی تسکین ملتی ہے۔ ماں کے مرنے کے بعد تو اس کی کیفیت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا کیونکہ اس کی ماں ٹی بی کی مریضہ ہو کر مری تھی۔ جس کے لیے وہ اپنے باپ کو قصوروار سمجھتا ہے حالانکہ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔

معین نے تحلیل نفسی کے دوران پوچھا تھا۔

کیا تم اس ذہنی عذاب سے چھٹکارا پانا نہیں چاہتے؟ تب اس نے جواب دیا تھا کہ وہ یہ سب نہیں کرنا چاہتا ہے مگر سرزد ہو جاتا ہے اور وہ دل سے اس عذاب سے چھٹکارا پانا چاہتا ہے۔

تابندہ نے بڑے غور سے سب کچھ سنا۔ اس کا دل ہمدردی سے لبریز ہو گیا۔

تابندہ والدین اپنے غلط طرز عمل کے سبب بچوں کو تباہی کے دہانے پہنچا دیتے ہیں اور گھریلو بے سکونی بچوں کے لیے مشکلات پیدا کر دیتی ہے اور دعوٰی یہ ہوتا ہے کہ ان سے زیادہ ان کے بچوں کو کوئی نہیں چاہ سکتا۔ تابندہ یہ کیسی محبت ہے کہ ایک انسان اس طرح زندہ رہے کہ

نہ خوشی محسوس کر سکے اور نہ راحت۔ اس کے ذہن میں جھکڑ چلتے رہیں اور دنیا اسے پاگل قرار دے کر اس پر مزید ظلم کرے۔ یہ ایک انسان پر زیادتی کی انتہا ہے۔ لوگ بچہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ ان کی معمولی سی غلطی بچے کی کامیابیوں کے دروازے بند کر سکتی ہے اور ان کی غلطیوں کے سبب بچہ حقیقی زندگی سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ معین بھائی بڑے جذب سے کہہ رہے تھے۔ تابندہ اور خاموشی سے سن رہی تھیں۔

☆

محبت کو محبت سمجھنا تو ناصح، خود محبت کر
کہ ساحل سے کبھی اندازہ طوفان نہیں ہوتا

ایک ماہ گزر گیا تھا۔ کراچی سے فون اور خطوط کا سلسلہ جاری تھا، لوگ اسے یاد کر رہے تھے۔ اس نے بڑی تفصیل سے ماں کو خط لکھا تھا کہ وہ فی الحال نہیں آ سکتی، نہ احسن کو چھٹی مل سکتی ہے۔ اسے بڑے اچھے ہمسائے مل گئے ہیں جو اس کا بے حد خیال رکھتے ہیں۔

احسن پر معین بھائی واقعی بہت محنت کر رہے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ احسن بالکل نارمل ہو چکا ہے اور اتنی جلدی نارمل ہونے کی وجہ انہوں نے یہ بتائی کہ وہ خود کو ذہنی طور پر علاج کے لیے آمادہ کر چکا تھا۔ معالج کو مشکل اس وقت آتی ہے جب مریض خود کو صحت مند سمجھے اور

علاج کرانے پر آمادہ نہ ہو اور آمادہ ہو بھی جائے تو دلچسپی نہ لے۔

تم بہت خوش نصیب ہو تابندہ احسن فطرتاً بہت نیک دل اور سادہ ہے۔ بس تم اپنی محبتوں میں کمی نہ کرنا۔ وہ ہمیشہ تم سے گرم جوش محبت کی توقع رکھے گا۔ انہوں نے اسے نصیحت کی۔ وہ تہہ دل سے معین کی ممنون تھی جو اس کے لیے اس قدر خلوص سے کام کر رہے تھے۔

آپ کے لب اور وفا کی قسم
کیا قسم کھائی ہے خدا کی قسم

تابندہ

جی۔

دیکھو بھئی آج جمعہ ہے اور ہم چھٹی منا رہے ہیں لہٰذا ناشتے وغیرہ کے لیے بالکل ڈسٹرب نہ کیا جائے۔

جی اچھا۔ وہ پلاسٹک کے بیگ سے خوبصورت چھوٹے چھوٹے کپڑے کے پیس نکال رہی تھی۔ اس کی طرف سے پیٹھ موڑے نیچے قالین پر بڑی بے نیازی سے بیٹھی تھی۔

تابندہ

جی؟

کیا کر رہی ہو؟

کچھ نہیں بس ایسے ہی۔ اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر مسکراہٹ دبائی۔

تابندہ

جی۔ ای۔ اس مرتبہ اس نے لمبا سانس لے کر احسن کو مڑ کر دیکھا۔

وہ میرا سگریٹ کیس دینا۔

وہ اٹھ کر کارنس پر سے سگریٹ کیس اور لائٹر اٹھا لائی اور اسے دے کر واپس پلٹنے لگی۔

جا کہاں رہی ہو۔ ادھر آؤ، میرے پاس بیٹھو۔

وہ بیٹھ گئی۔ سرخ کڑھائی کے سبز سوٹ میں گیلے بالوں کو بکھرائے اس کے دل میں اتر گئی۔

ذرا وہ بازو دکھانا جو جلنے سے بچا ہوا ہے۔ لاؤ ذرا بیلنس کر دوں۔

تابندہ نے بگڑ کر اس کی صورت دیکھی۔ وہ اس طرح دیکھ رہا تھا کہ اسے ٹوٹ کر حیا آ گئی۔ اس نے اپنا دودھیا بازو پیش کر دیا۔ احسن نے اس دلفریب ادا پر سارا دھواں اس پر چھوڑ دیا۔

اختتام ------------------------ The End